فائزہ افتخار

اس ستمگر کے عہد سے گزرو

"بہت نیند آرہی ہے۔"

"ہاں' وہ تو میں جانتی ہوں۔ نیندیں تو بہت..... بہت زیادہ ہی آتی ہیں تمہیں۔" وہ اسے اپنے کمرے کی طرف لمبے لمبے ڈگ بھرتے دیکھ کر پیچھے سے بڑبڑائیں۔ ان سے زیادہ اور کون واقف تھا کہ رات کتنی کتنی دیر تلک اس کے کمرے کی بتی جلتی رہتی ان کی ساری بے خوابیوں کی ہمراز تھیں وہ... اور شاید خوابوں کی بھی۔

اپنے کمرے میں آنے کے بعد ریان کے اندر چھپی وحشت پوری طرح اس پر حاوی ہو گئی۔ ان در و دیوار سے کچھ چھپا ہوا نہیں تھا۔

"اروما آرہی ہے۔"

امی کے مختصر سے فقرے پر وہ چونک کے انہیں دیکھنے لگا۔ جب سے وہ آفس سے آیا تھا' امی کو عجیب سی کیفیت میں دیکھ رہا تھا۔ وہ معمول کے مطابق سب کام انجام دے رہی تھیں مگر ایک اضطراب ان کے ہر عمل سے ہویدا تھا۔ اگرچہ وہ کئی روز سے جانتا تھا کہ یہ تو ہونا ہی ہے' پھر بھی چونک کے رہ گیا۔

"فیصل خود اسے چھوڑنے آرہا ہے۔" انہوں نے اضافہ کیا اور اسے دیکھنے لگیں کہ شاید وہ کچھ پوچھے گا لیکن اس نے جلدی سے دو تین بڑے بڑے گھونٹ بھرے اور مگ رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

مکمل ناول

اس نے سر تھما تھما کے چاروں اور دیکھا۔ کہیں اس کی تصویر نہیں تھی مگر گوشے گوشے پر وہی مسکراتی نظر آرہی تھی۔

"اب وہ بھوت پریت بنگے؟"
وہی اس ناپسندیدہ فقرہ اس کے مخصوص اکھڑ انداز میں ہر طرف اسے لگا ہوا محسوس ہوا۔ ریان کا سر بے اختیار نفی میں ہل گیا۔

"نہیں۔ کبھی نہیں۔"
حالانکہ اس کے باتوں ہر بار ہی بری طرح زچ ہونے کے بعد وہ اور اسے چڑاتا تھا۔

"تمہاری اور میری جنگ پاکستان اور بھارت کی لڑائی ہے۔ نہ میں ہتک کے ڈر کے بیٹھوں گا اور نہ ہی تم چھیڑنے سے باز آتا ہے۔"

"چھیڑ چھاڑ کی عادت تمہاری ہے کیونکہ تم بھارت ہو۔"

"ابھی یہ فیصلہ ہونا باقی ہے کہ بھارت کون ہے اور رائے عامہ کے مطابق تمہیں ہی اس کا اہل سمجھا جائے گا کیونکہ بھارتی فلمیں تم دیکھتی ہو، بھارتی گانے تم سنتی ہو، بھارتی نیوز "تمہارا" جنون ہے اور بھارتی ہیروئنز کے سارے اوٹ پٹانگ فیشن جس حد تک تم سے اپنائے جاتے ہیں وہ تم ہی شوق فرماتی ہو۔ بھارت نواز۔"

اس کے طعنے پر وہ ہمیشہ تپ جاتی اور کئی کئی روز تک انڈین چینلز، انڈین مووی کا بائیکاٹ رہتا۔ گو کہ فیورٹ انڈین ایکٹریسز کے ڈرامے بھی اتر جاتے لیکن یہ بس چند ہی دن کی بات ہوتی۔

ریان یاد کرکے مسکرایا۔ وقتی طور پر جتنا غصہ آتا اسے میری بات کا، تمہیں کھایا کرتی کہ آئندہ مجھے کبھی ڈھونڈنے سے بھی موقع نہ ملے گا اس کی کسی کمزوری پکڑنے کا اور پھر چند ہی دنوں میں میرے طعنے، تشنے اشتعال انگیز جملے سب فراموش کرکے وہی کرتی جو اس کا دل چاہتا۔ کاش۔ میں بھی ایسا ہی ہوتا۔ ذہن سے سب جھٹک دینے والا۔ دل میں کچھ نہ رکھنے والا۔ لیکن۔" وہ بے بسی سے سر جھٹک کے رہ گیا۔

ایسا کیسے ہو سکتا تھا کہ کوئی ویسا ہی بن جائے جیسا وہ چاہتا ہے۔

اور ہوتا بھی وہی ہے جو اللہ کو پسند ہو۔ چاہے کوئی چاہے یا نہ چاہے۔

آج سے ڈھائی سال پہلے جب اروبا اس گھر سے رخصت ہوئی تھی تو کیا کسی کو امید تھی کہ وہ واپس آئے گی۔ اس طرح واپس آئے گی؟

کیا اس نے کبھی یہ چاہا تھا۔ اس نے تو ہمیشہ اس کے لیے اچھا ہی سوچا، بھلے کبھی جتایا نہ ہو۔ جتانے یا کچھ بتانے کی تو اسے عادت کبھی بھی نہیں۔ ویسے چاہے فضول زبان چلتی رہتی اور اس کے سامنے تو خیر قینچی کی طرح چلتی تھی، چپ تو وہ بھی نہ کرتی۔ دونوں روز ہی نئی نئی معرکے لڑا کرتے۔

☼ ☼ ☼

"اے "ربڑی دیوی" یہ کیا بنی ہوئی ہو؟"

اسے سلک کی جامنی ساڑھی لپیٹے، اونچا سا جوڑا بنائے دیکھ کر ریان نے فٹ اسے "ربڑی دیوی" کا خطاب دے دیا۔ وہ اپنی عزیز از جان دوست شبینہ کی منگنی میں جانے کے لیے اتنے شوق سے تیار ہوئی تھی۔ پہلی بار خالہ سے ضد کرکے ساڑھی بھی نکلوائی تھی اور بعد میں جب اپنی قدرے کم قامت کا احساس ہوا تو ہائی ہیل کی سینڈل پہننے کے ساتھ ساتھ اونچا سا جوڑا بنا کے معاملہ بیلنس کرنا چاہا لیکن ہوا یہ کہ وہ خود ان بیلنس ہو گئی۔ ایک تو ساڑھی پہلی بار پہنی تھی، دوسرے اس کا سلکی پلو سنبھالنا ایک الگ عذاب تھا۔ اوپر سے ہائی ہیل نے حقیقتاً "پھونک پھونک کے قدم اٹھانے پر مجبور کر دیا۔ ریان، امی کے کہنے پر اسے شبینہ کے گھر ڈراپ کرنے کے ارادے سے ملوما" کرہا" اٹھ بیٹھا مگر اس کی ہیئت کذائی دیکھ کے اپنی زبان کی کھجلی پر کنٹرول نہ کر سکا۔

"ربڑی دیوی۔ یہ ربڑی دیوی کون ہے؟ ربڑی کا تو سنا ہے بلکہ کھائی بھی ہے، خوب ٹھنڈی ٹھار کرکے لیکن یہ دیوی کون ہے؟" اس کی معلومات اپنی دلچسپی کے علاوہ دیگر معاملات میں بس یونہی سی تھیں۔

"کوڑھ مغز لڑکی! میری سمجھ سے باہر ہے تم کالج میں پڑھتی کیا ہو اور حیرت کی بات سبجیکٹس بھی کیا شاندار رکھے ہوئے ہیں۔ سیاسیات اور صحافت۔ واہ سیاسیات کی طالبہ اور حالات حاضرہ سے لاعلمی کا یہ عالم ہے، حالانکہ ربڑی دیوی تو تمہارے اپنے بھارت کی ہی ایک وزیر ہے۔ کتابی کیڑا ہو تم بھی، خلاصوں سے رٹ رٹ کے نوٹس پرچوں میں لکھ آتی ہو۔ دنیا میں کیا ہو رہا ہے، اس کی فکر ہی نہیں۔ ہاں اسٹوڈیوز میں کیا سرگرمیاں ہیں، سینما ہالوں میں کتنا رش لگا ہے، یہ جاننے کا شوق ہے۔ اخبار میں بھی بس "فلمی خبریں" پڑھتی ہو۔ انڈیا کے گھٹیا سے گھٹیا اداکار کی بائیوگرافی سے واقف ہو اور مشہور معروف سیاسی ہستی ربڑی دیوی سے اتنی ناواقفیت۔ حیرت ہے۔" اس نے حسب عادت اسے چڑایا۔

"لیکن کوئی مشہور و معروف ہستی بھی نہیں ہوگی، ورنہ میری جنرل نالج اتنا کمزور بھی نہیں۔ اس وقت اسلام آباد کی پارلیمنٹ میں جتنے ارکان بیٹھے ہیں، بے شک سب کے نام لو۔ اب بھارت کے صوبہ بہار کے گورنر، جالندھر کی اسپیکر کا، کرناٹک کے وزیراعلیٰ، چندری گڑھ کے مشیر اعلیٰ، ان سب سے واقفیت بڑھا کر مجھے کیا کرنا۔ میں تو پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ تم بھارت ہو۔ اور میں پاکستان۔" جب سے ریان نے اس کے اور اپنے معرکوں کو "پاک بھارت جھڑپ" کا نام دیا تھا، دونوں ہی ہمہ وقت دوسرے کو بھارت اور خود کو پاکستان قرار دینے کی سر توڑ کوشش کرتے رہتے تھے۔

"لیکن بھارتی لباس میں اس وقت تم ملبوس ہو۔" اس نے فاتحانہ انداز میں نکتہ اٹھایا۔ "اور ربڑی دیوی بھی تم ہی لگ رہی ہو۔"

"اف۔ فو۔ آخر یہ ربڑی دیوی ہے کیا بلا؟" ریان کا دیا طعنہ اس سے برداشت نہ ہو سکا اور وہ الماری کے پٹ کھول کے اور کوئی ڈریس منتخب کرنے لگی۔

"کمال ہے، تم نے اب تک اس کا دیدار نہیں کیا۔ کبھی مووی چینلز کے علاوہ نیوز چینلز بھی دیکھ لیا کرو، جہاں کئی بار وہ اپنے جلوے بکھیرے نظر آتی ہے۔ بالکل ایسا ہی اونچا سا جوڑا۔ یعنی گہرے رنگ کی چم چم کرتی لپ اسٹک اور ریشمی رنگ برنگی ساڑھیاں اور رہتا ہے وہ ساڑھیاں ربڑی دیوی کے اسی کلو وزن اور پونے پانچ فٹ کے وجود پر کیسی لگتی ہیں، جیسے کدو پر غلاف چڑھا دیا ہو۔" اس نے قہقہہ لگایا تو اروبا بھی ماتھے پر ہاتھ مار کے ہنس پڑی۔

"اللہ جی۔" وہ بے تحاشا ہنسنے لگی۔ "کدو۔ کدو پہ غلاف۔" اچھی طرح ہنس لینے کے بعد اچانک اسے بریک لگ گئی۔ شاید اسے یاد آگیا کہ اس غلاف چڑھے کدو سے وہ کچھ دیر پہلے اسے تشبیہ دے رہا تھا۔

"تم۔ ریان۔ تم مجھے کدو۔ میرا مطلب ہے ربڑی دیوی۔ تمہاری اتنی ہمت۔ کیا میں تمہیں ایسی نظر آرہی ہوں۔" غم و غصے سے بے حال ہوتے ہوئے اس نے بڑی محنت سے سجائے سنوارے اپنے سراپا پر نظر دوڑائی۔

"ارے نہیں یار۔ کمال ہے، میں کیا اتنا کم فہم ہوں جو کدو اور بینگن میں تمیز نہ کر سکوں۔"

"ر۔ی۔ا۔ن۔" وہ گلا پھاڑ کے چلائی اور اس سے زیادہ چیخ کر بھی نہیں سکتی تھی کیونکہ اپنی بات کہہ دینے کے بعد وہ کمرے سے غائب ہو چکا تھا۔ وہ ساڑھی کے پلو کو نوچتی کھسوٹتی دھم سے بیڈ پر بیٹھ گئی۔ چند منٹ تک کھولتے رہنے کے بعد نہ چاہتے ہوئے بھی دوبارہ تیار ہونے کے لیے کھڑی ہو گئی۔ اگر اس کی عزیز دوست کی منگنی نہ ہوتی تو کبھی وہ اس کے

ساتھ جانے پر تیار نہ ہوتی۔

آدھے پون گھنٹے بعد وہ پھر کمرے سے نکلی اور ریان جو صوفے پر تسلی سے نیم دراز ہو کے پاکستان اور انڈیا کا میچ دیکھ رہا تھا' منہ بناتا اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ یہ میچ مس نہیں کرنا چاہتا تھا' اسی لیے اس نے جانے کو تیار کھڑی اروما کا ساتھ بھی موڈ خراب کیا۔ اس کا خیال تھا' اتنی بدمزگی کے بعد وہ جانے کا ارادہ ترک کر دے گی یا کم از کم اس کے ساتھ تو جانا پسند نہیں کرے گی لیکن ذرا ہی دیر بعد وہ پھر سے [illegible] چھلانے سامنے تھی۔ ریان نے ڈھیلے وجود کے ساتھ خود کو ناچار یہ ڈیوٹی بھگتانے پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اسے دیکھا۔

سفید چوڑی دار پاجامہ' سفید ہی نیٹ کی مختصری قمیص میں لمبے ست رنگے چنے ہوئے دوپٹے کے ساتھ وہ پہلے سے یکسر مختلف لگ رہی تھی۔ کس کے جوڑے میں لپیٹے بال [illegible] ڈھیلی سی چوٹی میں ڈھل رہے تھے۔ بالی بیل گولڈن سینڈلز کے بجائے مناسب لمبائی کی بیل والی سفید سینڈل تھی جس پر دو تین رنگ کے نگینے جگمگا رہے تھے۔ میک اپ بھی لباس کے رنگ کی مناسبت سے تبدیل ہو چکا تھا۔ گولڈن آئی شیڈ اور جامنی لپ اسٹک اور بلش آن کے بجائے کھلتے ہوئے گلابی رنگ کے شیڈ اس کے خاموش لبوں اور رخساروں پر سجے تھے۔

اسے پیچھے بٹھا کے جب ریان نے بائیک اسٹارٹ کی تو دل ہی دل میں شکر کیا کہ اس کے چند جلے کٹے جملوں سے گھبرا کے ہی سہی کم از کم اروما نے وہ فضول سی ریشمی ساڑھی تو تبدیل کی۔ اگرچہ ریان نے کسی اور مقصد سے اسے کلسایا تھا' تب اسے یہ دھیان ہی نہیں رہا تھا کہ بائیک جیسی سواری پر ساڑھی میں ملبوس' چنگھاڑتے ہوئے میک اپ کے ساتھ وہ اسے اپنے پیچھے بٹھا کے لے جاتا کیا محسوس کرے گا اور رہی وہ خود۔ تو وہ ایسی ہی لاپروا تھی۔ ان نزاکتوں کی طرف اس کا دھیان کم ہی جاتا۔

اس کی مستقل خاموشی سے بور ہو کے ریان نے بائیک کی رفتار آہستہ کی۔

"فالودہ کھاؤ گی؟" کوئی جواب نہ ملنے پر اس نے اپنا سوال دہرایا۔ دوسری بار بھی خاموشی پر وہ جھلا اٹھا۔

"سو گئی ہو یا مر گئی ہو؟"

"مریں میرے دشمن جو ہٹے کٹے دندناتے پھرتے ہیں اور نیند سولی پر آجانے کا محاورہ تجربات سے درست قرار دیا جاسکتا ہے مگر تمہاری اس پھٹیچر پر نیند ناممکن۔"

"توبہ۔ شعلے برسا رہی ہو۔ کیا خیال ہے ایرانی سرکس میں ایک شو تمہارا بھی نہ دکھوا دیں۔ منہ سے شعلے برسانے والی حسینہ' غلط ثابت کرنے والے کو ایک ہزار روپیہ نقد انعام' یاد رہے کہ صرف منہ سے بولنے والے دعوے کو غلط ثابت نہیں کیا جاسکتا' حسینہ لفظ استعمال کرنے پر جو چاہے اعتراض کر سکتا ہے۔"

"میں چلتی بائیک سے چھلانگ لگا سکتی ہوں۔" اس نے دھمکی دی۔

"اچھا اچھا۔ تو یہ کرتب بھی دکھانا آتا ہے۔ چلو ایک مظاہرہ اس کا بھی رکھوا لیں گے۔ رسی پر چلنا جانتی ہو؟ پلیز بتاؤ نا اور کون کون سے کمالات آتے ہیں۔"

وہ خاموشی سے دانت [illegible] رہی تو ریان نے مصالحانہ انداز اختیار کرتے ہوئے بات بدل دی۔

"اچھا یہ تو بتا دو فالودہ کھاؤ گی یا نہیں؟"

"دوبارہ بتا تو دیا ہے کہ نہیں۔"

"مجھے آواز نہیں آئی۔"

"میں نے سر ہلایا تھا۔" اس کی معصومیت پر ریان نئے سرے سے کھول اٹھا۔

"سبحان اللہ۔ بی بی! میرے پیچھے آنکھیں نہیں جو میں تمہارے مٹکے کو ہلتا دیکھتا۔ ڈھائی سیر کا سر ہلانے کے بجائے یہ چھٹانک بھر کی زبان نہیں ہلائی جاتی۔"

"اچھا تو اب سن لو۔ نہیں کھانا مجھے کوئی فالودہ شالودہ۔"

"یہ آج سڑکیں اتنی ویران کیوں ہیں۔"

"میچ جو ہے انڈیا اور پاکستان کا۔ ایک تمہاری قوت ہی بدذوق ہے جو آج کے اہم دن اپنا میچ ڈال کے بیٹھی ہے۔ مجھے کھوانا حرام ہے جو کوئی لیڈی کے آگے سے اٹھ کے اس فنکشن تک آنا گوارا کرلے بلکہ مجھے تو خدشہ ہے کہ متوقع دولہا صاحب بھی کہیں اپنو ٹیم انڈیا کے ہاتھ نہ بھجوا دیں۔"

سارے راستے ہی وہ جی بھر کے اسے بیزار کرتا رہا اور واپسی پر تو وہ خود حد سے زیادہ بیزار اور اکتایا ہوا لگ رہا تھا۔

"اتنی دیر سے آئے ہو جو میچ کب کا ختم ہو چکا۔"

"مجھے مت چھیڑو' اس وقت تم سے بلکہ تمہاری ساری قوم سے چڑا بیٹھا ہوں۔" وہ کاٹ کھانے کو دوڑ رہا تھا۔

"میری قوم۔۔۔؟ کیا مطلب؟" اس نے حیران ہو کے پوچھا لیکن ریان نے وضاحت ضروری نہ سمجھی۔ البتہ کچھ دیر بعد "نرالا سوئیٹس" کے آگے بائیک روکی۔

"اس وقت تمہیں فاقہ کھانا زہر لگ رہا تھا' اب رس ملائی نہ کھانے پر اعتراض ہوگا نہ کھلانے پر۔ چلو شاباش' پیسے ڈھیلے کرو اور مجھے رس ملائی کھلا کے میرا غم غلط کرو۔"

"کیا؟ میں تمہیں رس ملائی کھلاؤں؟ مگر کس خوشی میں۔"

"میچ جیتنے کی خوشی میں۔ مبارک ہو' تمہاری منتیں پوری ہو گئیں۔"

"سچ۔۔۔؟ کیا پاکستان جیت گیا؟" وہ خوش ہو گئی۔

"نہیں۔۔۔ ہار گیا۔ تم جیت گئیں۔" اس کے تیور دیکھ کر وہ تلملا کے رہ گئی۔

"دیکھو ریان! بہت ہو گیا۔ میں اس سے زیادہ برداشت نہیں کر سکتی۔ تمہارا جو جی چاہتا ہے بک دیتے ہو' یہ خیال کیے بغیر کہ مجھے کیسا لگے گا۔ تم خود ہوگے میر جعفر' جاسوس۔۔۔ بلکہ اصل بھارتی واجپائی۔ خبردار جو آئندہ میری حب الوطنی کے بارے میں مشکوک اندازے لگائے تو۔۔۔"

ایک تو پاکستان کے میچ ہارنے کا اچانک صدمہ' اوپر سے ریان کا اسے بھارتی ٹیم کی جیت کی خوشی میں مبارکباد دینا' اسے سچ مچ دکھی کر گیا۔

"پیسے خرچ نہیں کرنا تو مت کرو لیکن کم از کم مجھے واجپائی تو مت کہو۔" اس نے دوبارہ سے بائیک آگے بڑھائی۔

"تم شکلاً' عادتاً' فطرتاً۔۔۔ پورے کے پورے واجپائی ہو۔" اس نے خود کو ریڑی والوں کی کھلائے جانے والے سانحہ کا فوری بدلہ لیا۔ "بالکل اس کی طرح گھنے میسنے' چپ چپیتے' لڑاکے۔۔۔ اسی کی طرح ناک چڑھا رکھی ہوتی ہے' تیوریاں عروج پر ہوتی ہیں۔"

"وہ ٹھگنا ہے' میں دراز قد ہوں۔ وہ موٹا ہے' میں اسمارٹ ہوں۔ وہ کالا ہے' میں گورا چٹا ہوں۔ وہ سڑیل ہے' اور میں خوش مزاج ہوں۔"

"تو پھر تم اصل بھارتی واجپائی نہیں بلکہ بال ٹھاکرے ہو۔ جیسے فتنے' کالے سیاہ بالوں' بڑی بڑی خونخوار آنکھوں' گھنے بے ترتیب بالوں اور مکار و سفاک مسکراہٹ والے۔"

اسی طرح دونوں ایک دوسرے سے بے حساب بیزار کرتے رہتے۔

اروما ریان کی اکلوتی خالہ کی بیٹی تھی۔ دونوں کی امائیں بس دو ہی بہنیں تھیں' ایک نے [illegible] اپنا میکے کا [illegible] اختیار کر [illegible] قریباً بھی تھیں۔ جب اروما کے والد شارجہ سے مستقل پاکستان سیٹل ہوئے تو انہوں نے اپنے آبائی شہر فیصل آباد کے بجائے لاہور میں سکونت اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ حالانکہ وہاں ان کا بھرا پُرا کنبہ تھا۔ ماں' باپ' تین بھائی اور دو بہنیں لیکن ان کے گھر والوں کا رویہ نہ تو ان کی بیگم کے ساتھ مناسب تھا اور نہ ہی وہ اپنے اس بیٹے کی برادری سے باہر پسند کی شادی کی خطا کو معاف کر پائے تھے۔ روزگار کے سلسلے میں انہیں چند ماہ کی بیاہتا دلہن کو اپنے سخت مزاج گھر والوں کے سپرد کرنا پڑا۔ بعد میں ان دس سالوں میں انہوں نے گاہے بگاہے چکر لگائے۔ پہلے فیصل اور پھر اروما نے ان کی فیملی میں اضافہ کر دیا لیکن ان کی بیوی کے ساتھ سسرال والوں کا رویہ اول روز جیسا ہی تھا' وہ ہر بار پاکستان آنے کے بعد دل برداشتہ ہو کے واپس جاتے اور پھر جب بڑھتے ہوئے بچوں کے مستقبل کی خاطر انہوں نے پاکستان شفٹ ہونے کا ارادہ کیا تو سنجیدگی سے اس مسئلے پر سوچا۔

اپنی والدہ اور بہنوں کی حاسدانہ فطرت سے آگاہ تھے' اس لیے نزدیکی شہر میں ہی رہائش اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ ان کا ارادہ الیکٹرونکس کا بزنس شروع کرنے کا تھا' جبکہ ان کے چچاؤں' والد اور بھائیوں کا سب کا ٹیکسٹائل کا بزنس تھا اور فیصل آباد میں ان کی ملیں تھی۔ لاہور آنے کے بعد بیوی کی فرمائش پر انہوں نے اکلوتی سالی [illegible] گھر کے قریب ہی ایک بنگلہ خریدا۔ ابھی انہوں نے کاروبار شروع کرنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ دل کا پہلا دورہ ان کے لیے جان لیوا ثابت ہوا۔ ان کی جواں سال بیوہ شاہدہ [illegible] کے فیصل اور چار سالہ اروما کے ساتھ تنہا رہ گئیں۔ [illegible] ان کی بہن ناہید اور بہنوئی نے انہیں خاصا سہارا [illegible]۔ سارا [illegible] انہوں نے فیصل اور اروما کی امانت سمجھتے [illegible] بینک [illegible] نکس کرا دیا۔ اظہار صاحب کا [illegible] انہوں نے [illegible] بڑا سا بنگلہ ان کی ضرورت [illegible] زیادہ تھا۔ ان کے بہنوئی شفیق بھائی جان نے ان سے مشورہ کرنے کے بعد بنگلے کا اوپر پورشن کرائے پر اٹھایا۔ عقبی حصے پر گیٹ لگوا کے اور الگ سے سیڑھیاں رکھوا کے اس کا عمل دخل نچلے پورشن سے ختم کر دیا اور اپنے اور ان کے لان کے درمیان والی دیوار گرا دی تاکہ شاہدہ خود کو غیر محفوظ اور تنہا تصور نہ کر سکے۔

ان کے سسرال والوں کا رویہ بیٹے کی وفات کے بعد اور جارحانہ ہو گیا' اس لیے ان سے تو کسی قسم کے تعاون اور مدد کی امید نہیں تھی۔ یوں وقت گزرتا چلا گیا اور شاہدہ' ناہید اور شفیق بھائی جان کی محبتوں کے ساتھ سنبھلنے کی کوشش کرنے لگیں۔

شفیق بھائی جان نے مقدور بھر خود' سالی اور اس کی اولاد کا خیال رکھا۔ فیصل اور اروما کو باپ کی کمی محسوس نہ کرانے کی پوری پوری کوشش کی۔ خود ان کا ایک ہی بیٹا ریان تھا جو فیصل سے دو سال چھوٹا اور اروما سے تین سال بڑا تھا۔ شاہدہ کا گزر کرائے کی رقم میں بخوبی ہو رہا تھا۔ بینک میں موجود رقم جوں کی توں تھی۔

کچھ وجہ یہ بھی تھی کہ ان کی بہت سی ضروریات بغیر کہے شفیق بھائی جان پوری کر دیا کرتے۔ تینوں بچے ایک ہی اسکول میں پڑھتے اور خود ہی ہر ماہ تینوں کی فیس ادا کر دیا کرتے۔ ناہید تینوں بچوں کے لیے خود ہی شاپنگ کیا کرتیں۔ شاہدہ ان معمولات سے بے نیاز تھیں۔ زندگی میں ان کی دلچسپی برائے نام تھی۔ دلہناپے کے دنوں میں ہی وہ من چاہا محبوب جو زمانے سے ٹکر لے کر ان کا شوہر بنا تھا' سات سمندر پار چلا گیا۔ دس طویل برسوں میں صرف چار بار ہفتوں کے لیے آیا کرتا اور صحیح معنوں میں تو وہ دونوں اب اپنی ازدواجی زندگی کا آغاز کرنے جا رہے تھے۔

جب انہوں نے خود زندگی سے بیزاری ظاہر کرنا شروع کر دی تو زندگی نے بھی زیادہ دلچسپی نہ لی۔ اتنی عمر نہ تھی جتنی بیماریوں نے یلغار کر دی اور یوں وہ سولہ سالہ فیصل اور گیارہ سالہ اروما کو بہن بہنوئی کے سپرد کر کے خود اظہار کے ساتھ رہنے کی خواہش لیے عدم

سدھار گئیں۔

باپ کی وفات کا صدمہ اگرچہ ان دونوں کی زندگی کا پہلا پہلا سانحہ تھا لیکن ماں کی وفات نے تو دونوں بچوں کو ہراساں ہی کر کے رکھ دیا۔ اب دونوں ہی اس عمر میں تھے کہ ان کو اس صدمے سے باہر نکالنے کے لیے ان کی خالہ اور خالو کو چاکلیٹس، پلے لینڈ اور کھلونوں کے سہارے ناکافی لگ رہے تھے۔ بہرحال انہوں نے پورے خلوص سے دونوں کو اپنی سرپرستی میں لے کر ان کی پرورش کرنا شروع کر دی۔ دونوں اب اپنے پورشن کے بجائے ان کے ہاں مقیم تھے۔ ان کے کمرے لاک تھے۔ گاہے بگاہے ناہید اپنی نگرانی میں صفائی کروا دیا کرتیں۔

فیصل سمجھ دار تھا، کالج جا کر تعلیمی سرگرمیوں میں مگن ہو کر جلد ہی سنبھل گیا لیکن اروما کو بہلانے کے لیے خالہ اور خالو کو ہی خاصی محنت کرنا پڑی۔ انہوں نے اپنے اکلوتے بیٹے سے بڑھ کے اس پر شفقت اور توجہ دی۔ گزرتے سالوں نے اروما کی سہمی ہوئی حالت اور عری شخصیت کو ختم کر کے پراعتماد اور خوش وضع صورت دے دی۔ ناہید اور شفیق دونوں کو اپنی محبتوں کا انعام بیٹی جیسی نعمت کے طور پر ملا۔ اس نے کم عمری میں ہی گھر کی تمام ذمہ داریاں سنبھال کر اپنی خالہ کو خاصا سکھ دیا۔

فیصل تعلیمی میدان میں آگے تھا۔ اس نے نیشنل کالج آف آرٹس سے ٹیکسٹائل ڈیزائننگ میں ماسٹرز کیا۔ قدرتی طور پر اس کا رجحان اس جانب تھا۔ فارغ التحصیل ہوتے ہی فیصل آباد کی ایک بڑی اور نامور ٹیکسٹائل کمپنی میں اسے اچھی جاب مل گئی۔

جب وہ رخصت ہو رہا تھا تو خالہ نے اسے اپنے ددھیال والوں سے رابطہ رکھنے کی خصوصی تاکید کی۔ اس نے بیزاری ظاہر کی تو اسے سمجھایا۔

اس وقت تو فیصل نے خاصی ناگواری سے وہاں جانے کی حامی بھری تھی لیکن بعد میں نجانے اسے ددھیال والوں نے کیا گھول کے پلا دیا کہ وہ مل کی طرف سے ملنے والے مکان کے بجائے وہیں چچا کے گھر رہنے لگا۔ فیصل آباد جانے کے ڈیڑھ ماہ بعد ہی جب وہ پہلی بار لاہور آیا تو اپنے چچاؤں، پھوپھیوں کی محبت اور ان کی اولادوں کی اپنائیت کے قصے فر فر سنا رہا تھا۔ خالہ نے بڑے اچنبھے سے اسے دیکھا تو وہ سنبھل گیا۔

"خالہ جان! خون آخر خون ہوتا ہے۔ چچا جان کہہ رہے تھے کہ مجھ میں ان کو اپنا بھائی نظر آتا ہے۔"

"اور جب بھائی زندہ تھا تو خود تو وہ بیچارہ کبھی انہیں نظر نہیں آیا۔"

"اب میں کیا جانوں، ان کے آپسی اختلافات کیا تھے۔" وہ خجل سا ہو گیا۔ "اس وقت کے قصے پرانے ہوئے، اب عمریں بھی تو بہت ہو گئی ہیں ناں خالہ جانی! وہ ساری اکڑ، وہ طنطنہ...... نہ جانے کہاں بہہ گیا ہے۔ انہیں اپنی غلطیوں کا احساس ہو گیا ہے۔ ویسے بھی اب وہ حالات نہیں رہے۔ چچا جان کہہ رہے تھے کہ جب ڈیڈی نے خاندانی بزنس سے الگ ہونے کا فیصلہ کیا، مل تب ہی سے زوال کا شکار تھی۔ اب تو سب کچھ بک بکا گیا ہے۔ اپنی ملیں اور فیکٹریاں ہونے کے زعم میں اولاد کو زیادہ پڑھا بھی نہیں سکے، ملازمتیں کہاں سے ملتیں، اس لیے چھوٹا ہی سہی مگر سب اپنا کاروبار کر رہے ہیں لیکن اب وہ پہلے والی بات کہاں۔ بس کھینچ تان کے گزارا ہو رہا ہے۔"

"اس میں بھی قصور ان کا اپنا ہے۔ بڑے بڑے تو خزانے بھی ختم ہو جاتے ہیں۔ آج کل کے زمانے میں بھی تعلیم کی اہمیت کو تسلیم نہ کرتے ہوئے وہ اپنی ہٹ پر قائم رہے۔ نتیجہ یہی نکلنا تھا، کاروبار کو بدلتے وقت کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لیے نئی سوچ اور جدید تعلیم و ہنر کا ہونا ضروری ہے۔"

"جو کہ ڈیڈی کے پاس تھی۔" فیصل نے بات کاٹی۔ "لیکن انہوں نے اپنی تعلیم اور ذہانت کا کوئی فائدہ اپنے فیملی بزنس کو نہ پہنچنے دیا۔ وہ اگر چاہتے تو یہ بزنس کہاں سے کہاں پہنچا سکتے تھے لیکن انہوں نے تو اپنا حصہ الگ کر کے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔"

"فیصل!" ناہید حیرت بھرے انداز میں تنبیہہ کر کے رہ گئیں۔ اس کے منہ سے اپنے مرحوم باپ

کے بارے میں ایسے مثبت اظہار انہیں دکھی کر گیا جس نے یہ قدم صرف اور صرف اولاد کے مستقبل کی خاطر اٹھایا تھا کہ وہ ایک صحت مند ماحول میں خاندانی رقابتوں اور سازشوں سے بے خبر زندگی گزار سکے۔
فیصل نے اروما کو بھی اپنے ددھیال کے غائبانہ تعارف سے شناسا کرانا چاہا۔
"بڑی پھوپھی کو تو دیکھ کے میں چونک کر رہ گیا۔ بالکل یہی آنکھیں' یہی ناک۔۔۔ تم ہو بہو ان پر گئی ہو۔"
"اچھا تو یہ آئیڈیا ان کا تھا۔" ریان نے سر ہلایا۔ "میں اسے دیکھ کر اکثر سوچتا تھا' اسے بنانے کے لیے فرشتے اتنی دور کی کوڑی کہاں سے لائے ہوں گے۔ اب سمجھ میں آیا کہ یہ انسپائریشن انہیں آپ کی پھوپھی محترمہ نے مہیا کی تھی۔ ویسے فیصل بھائی! کیا ان کی بھی "یہی" آنکھیں ماتھے پر چڑھی رہتی ہیں اور "یہی" ناک پھولتی پچکتی رہتی ہے؟"
"بکواس مت کرو ریان! بڑوں کے بارے میں بات کرنے کی بالکل بھی تمیز نہیں رہی تمہیں۔ کیا میں نے تمہیں یہ تربیت دی ہے۔" ناہید نے درپردہ فیصل کو سنانے کے لیے بیٹے کو ڈپٹنا شروع کر دیا' وہ منمنا کے رہ گیا۔
"امی۔۔۔ میں تو۔۔۔ میں تو اروما۔۔۔" لیکن وہ دل کی بھڑاس نکالتی رہیں۔
"اب تم اتنے بڑے ہو گئے ہو کہ اپنے بڑوں میں نقص نکالنے بیٹھ گئے ہو' شرم نہیں آئی تمہیں ایسا کہتے ہوئے۔"
"سوری امی! میرا مطلب یہ نہیں تھا لیکن پھر بھی۔۔۔ پھر بھی سوری۔" اس نے غصے سے کھولتی امی کے گھٹنے پر اپنا سر رکھ کر انہیں ٹھنڈا کرنا چاہا جو دزدیدہ نگاہوں سے فیصل کو دیکھ رہی تھیں۔ وہ اس بات سے قطعی انجان تھا کہ اس کی بات نے انہیں کتنا دکھ پہنچایا ہے۔
تین دن تک وہ اپنے ددھیالی رشتہ داروں کی محبت کے گیت الاپتا رہا۔ چچا جان کا یہ بیان سب سے زیادہ دہرایا جاتا۔
"فیصل! اگر تمہاری طرح اظہار کا رجحان بھی اس طرف ہوتا تو آج ہم لوگ ٹیکسٹائل انڈسٹری میں کہاں سے کہاں تک پہنچ گئے ہوتے۔ تب ہمارے پاس سرمایہ تھا مگر اسے استعمال کرنے والا ذہن نہیں تھا۔ اب تمہارے جیسا اعلا تعلیم یافتہ بیٹا ہے مگر ملیں بند پڑی ہیں۔"
اس کے علاوہ بڑی پھوپھی کے جذباتی ڈائیلاگز بھی وہ دن میں کئی کئی بار نشر کرتا۔
"اظہار سب بہن بھائیوں میں سب سے زیادہ مجھ سے قریب تھا' بڑی عزت کرتا تھا میری۔ اس کا بس نہ چلتا تھا کہ میرے سارے دکھ درد' پریشانیاں بانٹ لے۔ اللہ نے بڑی جلدی اسے اپنے پاس بلا لیا ورنہ آج اس کے سہارے میری کئی پریشانیاں ٹل چکی ہوتیں۔"
اور ناہید جانتی تھیں کہ شاہدہ کی اس نند کی پریشانیاں کیا تھیں' تین بڑھتی عمر کی بیٹیاں۔
ان کا خدشہ درست نکلا۔ فیصل نے زیادہ دیر نہ لگائی' اگلے ہی چکر میں وہ نئے انکشافات ہمراہ لایا تھا۔
"خالہ جان! وہ۔۔۔ وہ ماریہ اچھی لڑکی ہے۔ میں نے سوچا۔۔۔ شادی تو اب کرنا ہی ہے تو کیوں نہ خاندان میں۔۔۔"
"ہاں "تم" نے سوچا۔" انہوں نے استہزائیہ ہنکارا بھرا۔ "ظاہر ہے کہ تم نے خود ہی سوچنا تھا' تمہارے بارے میں سوچنے والا کوئی اور بیٹھا جو نہیں۔"
"میرا یہ مطلب نہیں خالہ جان!" وہ سٹپٹا گیا۔
شفیق صاحب نے بات کو سنبھالا۔
"ناہید! بحث کیوں کر رہی ہو اور وہ بھی بلاوجہ۔ فیصل ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہے۔ اگر اس نے ماریہ کا نام لیا ہے تو ظاہر ہے کہ کچھ سوچ سمجھ کے' دیکھ بھال کے ہی یہ فیصلہ کیا ہوگا۔ میں تو کہتا ہوں ہمیں اس بار فیصل کے ساتھ جا کر ماریہ کو دیکھ آنا چاہیے بلکہ بات پکی کر آنا چاہیے' کیوں فیصل بیٹا!"
فیصل جو خالہ جان کا سخت ردِعمل دیکھ کے گھبرا اٹھا

تھا' خالو کی مفاہمانہ امداد پر آہستہ آہستہ پرسکون ہوتا ہوا آخری فقرے پر ایک دم پھر سے مضطرب ہو اٹھا۔ ناہید نے بھی شوہر کو اس مداخلت پر خفگی بھری نظروں سے گھورا۔
"بھیا! آپ ماریہ آپی' میرا مطلب ہے' بھابھی کی کوئی تصویر نہیں لائے؟" اروما نے اشتیاق سے پوچھا۔
"وہ تو ان کی آنکھوں میں نظر آ رہی ہے۔" ریان نے لقمہ دیا تو فیصل جھینپ گیا۔ اس نے ایک نظر سر جھکائے گم صم بیٹھی خالہ کو دیکھا اور اروما اور ریان کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔
"ناہید! بات کو سمجھا کرو' وقت بدل رہا ہے' زمانہ بدل رہا ہے۔ آج کی نسل اپنے فیصلے خود کرنے کی مجاز ہے۔"
"چلیں ٹھیک ہے شفیق۔۔۔! میں نے مانا وہ اپنے فیصلے خود کر سکتا ہے' بقول آپ کے زمانہ جو بدل رہا ہے لیکن کیا مجھے ناراض ہونے کا بھی حق نہیں۔"
"کیسی ناراضی؟ اس نے اپنے لیے ایک اچھی لڑکی کا انتخاب ہی تو کیا ہے' ہمارے نہ سہی مگر اس کے خاندان کی ہے' پڑھی لکھی ہے' شریف ہے اور یہ تو اس کی سعادت مندی ہے جو ہمارے پاس رضامندی لینے آیا ہے ورنہ اگر خود ہی سب معاملات طے کر لیتا تو بھلا ہم کیا اعتراض کر لیتے۔"
"بس کیجیے' میرا جی مت جلائیے۔ وہ لوگ تب کہاں تھے جب یہ ننھی جانیں ماں باپ کے سائے سے محروم کسی کی شفقت بھرے ہاتھ کے لیے ترس رہی تھیں۔ شاہدہ میری بہن تھی اور میں اچھی طرح جانتی ہوں' وہ آج زندہ ہوتی تو کبھی اپنے بیٹے کے لیے اپنی اس نسادن نند کی بیٹی کو پسند نہ کرتی۔ کہتی بوڑھی ہو رہی ہیں اس کی تینوں لڑکیاں۔ نجانے کون سی ڈالی فیصل کے سر منڈھ دی ہے۔ یہ تو آپ میرے دل سے پوچھیے کہ اس پر کیا گزر رہی ہوگی۔ یہ سوچ کر کہ نجانے شاہدہ کی روح فیصل کے اس اقدام پر کتنی بے چین ہوگی۔"
"خدا کی بندی! روحوں کو انتقامی جذبوں اور ارمانوں سے کیا واسطہ۔ یہ بندوانہ فلسفے سے نکل آؤ کہ روح بے چین ہو رہی ہوگی یا تڑپ رہی ہوگی۔ روح کو صرف دعائے مغفرت کی حاجت ہوتی ہے اور اگر فیصل کی وجہ سے کسی ایسی ماں کے سینے میں ٹھنڈ پڑ جاتی ہے جو جوان بیٹیوں کی شادی نہ ہو سکنے سے پریشان ہے تو تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ اس کا ثواب بالواسطہ طور پر تمہاری مرحومہ بہن کو پہنچے گا۔ کبھی کبھی اولاد کے نیک اعمال بھی والدین کی بخشش کا باعث بنتے ہیں۔"
"آپ بھی کمال چیز ہیں شفیق!" ناہید مسکرائیں۔ "ہر بات میں مثبت پہلو تلاش کرنا کوئی آپ سے سیکھے۔ آپ کچھ بھی کہہ لیجیے' ہے تو یہ فیصل کی زیادتی کہ اپنی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ میری بلکہ ہم دونوں کی رضامندی کے بغیر کر لیا۔ اپنی سگی اولاد کی طرح ہی ہم نے ان دونوں کو پالا ہے۔ آپ نے اس کا انداز دیکھا؟ وہ ہم سے اجازت طلب کر رہا تھا' نہ ہم سے مشورہ لینا چاہ رہا تھا' بلکہ ہمیں مطلع کر رہا تھا۔"
"فیصل نے ایسا کچھ نہیں کہا' تمہیں غلط فہمی ہو رہی ہے۔ میں ابھی تمہارے سامنے اس سے بات کر کے طے کر لیتا ہوں کہ ہمیں کب اس کی پھوپھی کے گھر باقاعدہ رشتہ مانگنے کے لیے جانا چاہیے۔ اس نے صرف لڑکی کو پسند ہی کیا ہے' ابھی بہت مواقع آئیں گے' تم شوق سے اپنے ارمان پورے کرتی رہنا۔"
ابھی وہ آواز دے کر فیصل کو بلانے ہی والے تھے کہ اروما اور ریان چہرے پر عجیب سے تاثرات سجائے سست قدموں سے اس طرف آتے دکھائی دیے۔ اروما کے ہاتھوں میں چند تصاویر دبی ہوئی تھیں' اس نے لا کر چپکے سے خالہ کے سامنے دھر دیں۔ انہوں نے تصاویر کو الٹ کر دیکھا اور جیسے کرنٹ کھا کے اچھلیں۔ بلاشبہ وہ تصویر فیصل کی منگنی کی تھی۔ وہ برخوردار سا بن کے بیٹھا تھا اور شاہدہ کی خرانٹ نند اس کے ہاتھوں

میں انگوٹھی ڈال رہی تھی۔

چھنی چھنی آنکھوں سے انہوں نے پھر سے اروما اور ریان کا چہرہ دیکھا، وہ دونوں سر جھکا کے رہ گئے۔ انہوں نے بے دلی سے اگلی تصاویر دیکھیں۔ ایک تصویر میں فیصل اپنے چچاؤں کے نرغے میں بیٹھا تھا تو دوسری میں اپنے ڈھیر سارے کزنز کے ساتھ گروپ فوٹو بنوا رہا تھا۔ اگلی تصویر میں کئی سنہری باریک زرتار آنچل سر پر لیے دایاں ہاتھ آگے بڑھائے بیٹھی تھی جس میں فیصل کے بڑے تایا انگوٹھی پہنا رہے تھے۔ ان کے ہاتھوں سے ایک ایک کر کے ساری تصاویر سرکتی گئیں۔

شفیق نے ایک نظر کارپٹ پر پڑی تصاویر کو دیکھا، ہاتھ بڑھا کے انہیں سمیٹا اور پھر سے بند کیں۔ جبھی ناہید نم آنکھوں میں دھر کے باہر نکل گئے۔ اب ان کے پاس کوئی بات ایسی بھی نہ تھی جس سے وہ ناہید کا دل بہلاتے۔ ناہید چپ کی چپ رہ گئیں۔ ایک لفظ گلے کا بھی نہ کہہ سکیں اس سے۔ لیکن شاید ان کی شکستہ نظریں شکوے برسا رہی تھیں۔ اگلے دو روز تک فیصل طرح طرح کی مٹھائیاں پیش کرتا رہا۔

"خالہ جان! یقین کیجیے، جیسا آپ سمجھ رہی ہیں وہ بات نہیں ہے۔ یہ منگنی کا فنکشن نہیں ہے۔ بھلا آپ کے بغیر میں اتنا اہم فنکشن کر سکتا ہوں؟ یہ تو بس۔۔۔ دراصل تایا جان نے ہی کہا تھا کہ اگر مجھے اعتراض نہ ہو تو وہ پھوپھی جی سے میرے لیے ماریہ کی بات کریں۔ میں نے سوچا تو مجھے بھی اس میں کوئی برائی نظر نہ آئی۔ میرے ہاں بھرتے ہی تایا جان خود میرا رشتہ مانگنے ان کے گھر گئے۔ میں تو جانتا بھی نہ تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔ مجھے آفس میں فون آیا کہ میں فوراً پھوپھی جی کے گھر پہنچوں، وہاں گیا تو دیکھا، پھوپھی جی کے ہاں کرتے ہی سارا خاندان مارے خوشی کے وہاں جمع تھا۔ تایا جان اتنے پرجوش تھے کہ اپنے ساتھ انگوٹھی بھی لے گئے تھے۔ بس رسمی طور پر یہ کارروائی ہوئی۔۔۔ میں نے بھی صرف ان کی خوشی کی خاطر اعتراض نہ کیا۔ "دیکھیں خالہ جان۔۔۔ آپ کو کوئی اہتمام نظر آ رہا ہے؟۔۔۔ ہاں بس وہ لوگ ہی ماشاء اللہ اس قدر زیادہ ہیں کہ جہاں جمع ہو جائیں، وہاں تقریب کا گماں ہوتا ہے، باہر کا کوئی بھی فرد نہیں تھا۔"

ناہید نے تڑپ کے اس کی طرف دیکھا لیکن اسے کوئی احساس نہیں ہوا۔ وہ بدستور تسلیاں دینے میں مصروف تھا۔

"جب باقاعدہ فنکشن کروں گا تو آپ کو ضرور بلاؤں گا۔"

اس سے زیادہ سننے کی ان میں تاب نہیں تھی۔ وہ فیصل کو پرے ہٹاتی ہوئی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئیں۔ وہ حیرت سے دیکھتا رہ گیا۔ اروما کی جانب دیکھا تو وہ بھی سسک رہی تھی۔ ریان نے دبے لفظوں میں شکوہ کیا۔

"فیصل بھائی! زخم دینا جانتے ہیں تو مرہم لگانے کا سلیقہ بھی سیکھ لیجیے۔"

"آخر میں نے ایسا کیا کہہ دیا؟" وہ جھنجلا اٹھا۔

"ہم نہیں، بھیا بھولے بنتے ہیں یا واقعی اتنے بھولے ہیں کہ اپنے عمل کی سنگینی اور لفظوں کی بدصورتی تک سے انجان ہیں۔" اروما نے آنسو صاف کرتے ہوئے سوچا۔

جتنا صدمہ ناہید کو فیصل کے اتنے بڑے فیصلے کے تن تنہا کر لینے سے پہنچا تھا، اتنا ہی صدمہ اس کے ان فقروں نے دیا تھا جسے اپنے تئیں اس نے بڑی دل سوزی سے تسلی دینے کے انداز میں کہا تھا۔

"جب باقاعدہ فنکشن کروں گا، آپ کو ضرور بلاؤں گا۔"

"اس تقریب میں باہر کا کوئی فرد نہیں تھا۔"

یعنی کہ اس نے کمال ہوشیاری سے ان پر یہ حقیقت جتا دی تھی کہ وہ "باہر" کے تھے اور یہ بھی کہ انہیں "باقاعدہ دعوت نامہ" دے کر تقریب میں بلایا جائے گا۔

وہ ساری رات ناہید نے رو رو کے گزاری اور شفیق صاحب چاہنے کے باوجود انہیں تسلی تک نہ دے سکے۔ وہ چاہتے تھے کہ وہ ایک ہی بار رو دھو کر یہ حقیقت تسلیم کر لیں کہ فیصل نے خود پر سے ان کا

اختیار ختم کر دیا ہے۔

☆ ☆ ☆

فیصل نے جاب چھوڑ کے ٹیکسٹائل مل لگانے کا فیصلہ کیا۔ شفیق صاحب جانتے تھے، اس کے اس فیصلے کے پیچھے اس کے چچاؤں کے مشورے رہے ہوں گے، اس کے باوجود انہوں نے کوئی تعرض نہ کیا۔ چپ چاپ اسے اظہار صاحب کا ارمانوں سے بنایا بنگلہ فروخت کرتے دیکھتے رہے۔ وہ سارا سرمایہ جو ان کی وفات کے بعد انہوں نے فکس ڈپازٹ کرا دیا تھا، اب تین گنا ہو چکا تھا۔ اس نے وہ بھی نکال لیا تو ناہید چپ نہ رہ سکیں۔

"فیصل! اپنا سب کچھ اس کاروبار میں مت جھونکو جس کا تمہیں کوئی تجربہ نہیں۔ ویسے بھی یہ سب تمہارا اکیلے کا تو نہیں، اروما کا بھی اس میں حصہ ہے۔ میں اس بچی کا حق داؤ پر نہیں لگانے دوں گی۔"

"پتا نہیں آپ کس قسم کی باتیں کرتی ہیں خالہ جان!" رفتہ رفتہ اس کے لہجے سے لحاظ اٹھتا جا رہا تھا۔

"میری باتیں جس قسم کی بھی ہیں، سچی ہیں اور تمہیں [illegible] کے بارے میں سوچنا ہوگا۔ شاہدہ اور اظہار بھائی صاحب کی امانت ہو تم دونوں۔۔۔ اور تم دونوں کی [illegible] اور بھی۔ تم [illegible] بڑے ہو گئے ہو اور خود مختار بھی، اپنے فیصلے خود کرنے کے مجاز بھی۔ اپنا حصہ تم جہاں چاہو خرچ کرو لیکن تم خود بڑے بھائی بن کے سوچو کہ کیا [illegible] کے حصے کی جائیداد کو بیچ کر اسے رسکی کاروبار میں [illegible] کرنا درست ہوگا۔" ان کی بات پر وہ لمحہ بھر کو سوچ میں پڑ گیا۔

"رسکی کاروبار کیسا خالہ جان! یہ ہمارا فیملی بزنس ہے۔ تایا جان اور چاچا جی کو اس کا برسوں کا تجربہ ہے۔" اس نے از خود تصدیق کر دی کہ یہ بزنس وہ کس کی ایماء پر شروع کر رہا ہے۔ "لیکن پھر بھی۔۔۔ بات آپ کی درست ہے۔ اروما کے حصے کی رقم میں بینک میں محفوظ رہنے دیتا ہوں۔" نجانے کیسے وہ مان گیا اور ناہید نے شکر ادا کیا کہ کوئی بات تو اس کی عقل میں سمائی۔

البتہ اپنے ددھیال والوں کے معاملے میں اس کی عقل کام کرنا چھوڑ دیتی تھی۔ ان کی تمام چالبازیاں اس کے سر سے گزر جاتیں۔ فیکٹری کے قائم ہوتے ہی شادی کا مسئلہ اٹھا۔ ناہید اور شفیق دونوں کی خواہش تھی کہ فیصل کی بارات ان کے گھر سے جائے لیکن اس کے تایا نے خواہش ظاہر کی کہ چونکہ فیصل کے سرپرست کی حیثیت سے وہی اس کا رشتہ ماریہ کے لیے لے کر گئے تھے، اس لیے بارات بھی ان ہی کے گھر سے جائے گی اور ماریہ رخصت ہو کر بھی ان ہی کے گھر آئے گی۔ البتہ کمال مہربانی سے انہوں نے ولیمہ کا انتظام شفیق صاحب کے سر ڈال دیا کہ آخر خالو نے بھی باپ بن کر پالا ہے، کچھ ارمان ان کے بھی ہوں گے۔

اروما کے بھی بہنوں والے سارے شوق بجھ کر رہ گئے۔ دولہا کی بہن تھی لیکن تایا کے گھر میں ان کی بیٹیوں کے مقابلے میں اسے ذرا اہمیت نہ دی گئی۔ دلہن کی شاپنگ، شادی پر پہننے والے ملبوسات، مہندی کے پروگرامز، دودھ پلائی وغیرہ، ہر رسم میں وہی آگے آگے رہیں۔ پرائے گھر میں شادی منعقد ہونے کی وجہ سے کچھ وہ ویسے ہی جھجک رہی تھی، اس لیے ہر بات میں پیچھے پیچھے رہی، حالانکہ اس نے بھیا کی شادی کے بارے میں کیا کیا سوچ رکھا تھا۔ اس کی کوئی دوست بھی شادی میں شرکت نہ کر سکی، وہ تو خیر بہن تھی۔ جبکہ خالہ، خالو اور ریان۔۔۔ ان تینوں کو تو ذرا بھی لفٹ نہ کرائی گئی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی سرسری سی جان پہچان والے کے ہاں تکلفاً مدعو ہیں۔

اس کے باوجود شفیق نے فیصل کا ولیمہ شاندار طریقے سے کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ ناہید نے اپنی طرف سے ماریہ کو ایک خوبصورت جڑاؤ طلائی سیٹ تحفے میں دیا، ساتھ میں بھاری کامدار دو ساڑھیاں اور تین سوٹ بھی دیے۔ شادی کے فوراً بعد فیصل ماریہ کو لے کر تایا کے گھر رہنے لگا مگر چند ماہ بعد ہی اس نے فیکٹری کے قریب اپنا بنگلہ بنوانا شروع کر دیا۔ شفیق

صاحب نے کہا بھی کہ ابھی فیکٹری کی شروعات ہے' کچھ عرصہ یہ کام رہنے دو' جب کام چل نکلے تو بنگلہ بھی تعمیر کروالینا' لیکن فیصل نے شرمساری سے اصل بات بتائی۔

"خالو جان! میں تو واقعی ابھی اس خرچ کا متحمل نہیں ہو سکتا لیکن کیا کروں' ماریہ کی تایا کی بیٹیوں سے ذرا بھی نہیں بنتی۔ روز ہی نوک جھونک' تو تو میں میں' میں ان لڑکیوں کا نام بھی نہیں' مجھے تو سخت شرم محسوس ہوتی ہے۔ تایا جان کو ابھی بھی کوئی اعتراض نہیں میرے وہاں رہنے پر لیکن ماریہ کو وہ بھی بلاوجہ ڈانٹتے ڈپٹتے ہیں۔ اپنی لڑکیوں کو چھوٹ دے رکھی ہے کہ وہ اپنے سے عمر اور رشتے میں بھی بڑی ماریہ کو جو مرضی کہتی پھریں۔ پہلے میں نے کرائے کے گھر میں شفٹ ہونے کا ارادہ کیا لیکن اس میں پھوپھی جی کو اعتراض ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ماریہ کے لیے ان کی سسرال میں دو تین رشتے تھے لیکن انہوں نے مرحوم بھائی کی محبت میں بھانجے کو بیٹی دی۔ ایسے میں اگر میں اسے کرائے کے مکان میں رکھوں گا تو انہیں اپنے شوہر اور سسرالیوں سے طعنے سننے پڑیں گے کہ خاندان کے اچھے بھلے رشتے چھوڑ کر ایسے لڑکے کو رشتہ دے دیا جس کے پاس ذاتی مکان تک نہیں۔"

"غضب خدا کا۔ انہوں کو باتیں گھڑنے میں ذرا خوف نہیں آتا۔" ناہید [illegible] سن کر بھپر گئیں۔ "آدھی دنیا کرائے کے مکانوں میں رہتی ہے' اس میں عزت' بے عزتی والی کیا بات ہے اور میں پوچھتی ہوں' ماریہ کے لیے ایسے ہی رشتوں سے بھرے تھال ان کے آنگن میں الٹے پڑے تھے تو اسے بٹھا بٹھا کے اکتیس سال کا کیوں کر دیا اور اب بھی اگر سسرال میں موجود رشتے اتنے بھا رہے ہیں تو باقی دونوں بیٹیوں کے لیے کیوں نہیں سوچ لیتیں' جو بیاہ دی' سو بیاہ دی۔ اب اس کے میاں کی مرضی محل میں رکھے' چاہے کٹیا میں۔"

"تم خاموش رہو ناہید!" شفیق صاحب نے ٹوکا۔ "میری صلاح ہے فیصل بیٹا! ابھی سال دو سال بنگلہ خریدنے یا تعمیر کرنے کا ارادہ رہنے دو۔ تمہاری فیکٹری اللہ کرے دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے پھر شوق سے۔۔۔"

"مجبوری ہے خالو جان!" اس نے اکتا کر بات کاٹی۔ انہیں سخت برا لگا مگر خاموش رہے' بعد میں ریان نے بھی کہا۔

"آپ یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ آپ نے انہیں "وداع" کر دیا ہے' اب وہ پرائے دیس بیاہے گئے ہیں اور پرایا دھن ہو گئے ہیں' آپ نے سنا نہیں۔ "پتر تے دھن پرایا وے بابلا۔۔۔" اور مشرقی والدین بیٹے رخصت کرنے کے بعد ان کی زندگی میں دخل نہیں دیتے' وہ جانیں اور ان کی سرتاجنی۔"

ماریہ سچ مچ کی "سرتاجنی" تھی۔ عمر میں وہ فیصل سے ڈیڑھ ڈھائی برس بڑی تھی اور عقل و فراست میں شاید صدیوں بڑی تھی۔ ماں کے کہنے پر پہلے تو اس نے فیصل کو متاثر کرنے کے ساتھ ساتھ بڑے ماموں کو بھی شیشے میں اتار لیا' یہاں تک کہ خود انہوں نے فیصل کے لیے اس کی راہ ہموار کی اور جب اس کا مقصد پورا ہو گیا تو اس نے بڑی ہی ہوشیاری کے ساتھ فیصل کو لے کر یہاں سے نکلنے کا پروگرام بنایا کیونکہ فیصل اور اس کی جائیداد پر وہ مکمل طور پر حاوی ہونا چاہتی تھی' جبکہ اپنے ماموں کے ارادے اسے کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے تھے بلکہ وہ تجربہ کارانہ مشورے دیتے دیتے خود چیئرمین کی سیٹ تک پہنچنا چاہتے تھے۔ اپنے بڑے دونوں بیٹوں اور اکلوتے داماد کو تو وہ پہلے ہی فیکٹری میں مختلف عہدوں پر سیٹ کر چکے تھے۔ چھوٹے چچا بھی ایک اونچا رتبہ سنبھالے بیٹھے تھے۔ فیصل خوش تھا کہ اس کی نئی نئی قائم ٹیکسٹائل مل کو اچھے تجربہ کار اور پرخلوص ورکر مل گئے ہیں جو اپنے ہیں اور مل کو اپنی ہی جان کو پوری لگن کے ساتھ ترقی کی شاہراہ پر لے آئیں گے لیکن ماریہ ان "اپنوں" کو اس کی نسبت زیادہ بہتر جانتی تھی۔ اسے ڈر تھا کہ یہ "اپنے" اس کے شوہر کی مل کو کہیں مکمل طور پر "اپنا" نہ بنا لیں' اس لیے اپنی حکمت عملی کے مطابق اس نے پہلے تو فیصل کو وہاں سے نکالا اور

[illegible] ہے۔
[illegible] میں [illegible] وہ بھی [illegible]
[illegible] بتانا [illegible] [illegible] کی ہراساں
[illegible] خالہ [illegible] بھی نہیں
[illegible] مانوس
[illegible]
[illegible] میں
[illegible] عمر
[illegible] قائم نہ ہو سکی۔
[illegible] سادگی اور جوش
[illegible] انداز
[illegible] اس کا
[illegible] سوالات پوچھنا اور کاٹ
[illegible]
[illegible] اس سے جو
[illegible] جواب بھی
[illegible] فیصل [illegible] ساتھ لے
[illegible]
"خالہ جان [illegible] منع [illegible] یہاں مت
[illegible]"
[illegible]
[illegible] قیامت کی
[illegible] تھی
[illegible] اٹھیاں چلاتے
[illegible]
"میرا مطلب ہے خالہ [illegible]
[illegible]
[illegible] اچھی نہیں
[illegible]
[illegible] سمجھ میں آتی
ہے۔"
"ویسے تمہیں [illegible] فیصل
[illegible] ہماری بھی [illegible]

"آپ جو اب ہو جائے گی اور ہماری بھی۔"
"[illegible] ہے؟" اس نے ریان سے پوچھا۔
"ہمارے [illegible] کے بعد جس کم ہو گا لوگ [illegible] جیسے گیس کے اور ہوائیں مسکی مسکی [illegible] ہوں گی۔"
"دیکھ رہی ہیں آپ خالہ جان! 'لوگ'" ابھی سے ہمارے میدان چھوڑ جانے کی خوشیاں منا رہے ہیں اور آپ چاہتی ہیں کہ میں ایسا ہونے دوں؟ ناممکن۔"
"جی ہاں 'لوگوں' کی خوشیاں ملیامیٹ کرنا تو آپ کی پرانی عادت ہے۔"
"بس بھی کرو دو منٹ سکون سے نہیں بیٹھ سکتے تم دونوں۔ ارے ماں بیٹا جانو۔" خالہ جان نے [illegible]
"دیکھو ارے بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ اب فیصل پر زور نہیں دے سکتی۔ ویسے بھی [illegible] کو پسند نہیں میرا اس پر [illegible]" "وہ افسر [illegible] نہیں۔" "اگر میں نے [illegible] یہاں رکنے کی کوشش کی تو وہ اپنے دماغ کی عورت ضد باندھ لے گی اور صرف مجھے نیچا دکھانے کے لیے فیصل کو مجبور کرے گی کہ وہ تمہیں [illegible] کے لیے وہاں لے آئے۔ سو حالات کا تقاضا یہی ہے کہ تم [illegible] کچھ روز کے لیے چلی جاؤ۔ اس کا شوق پورا ہو جائے گا۔ اپنی کمائی سے گھر بنایا ہے [illegible] چاہتا ہے ناں کہ بہن آکے رہے۔ تم اس کا دل رکھنے کی غرض سے چلی جاؤ پھر پڑھائی کا حرج ہونے کا کہہ کر لوٹ آنا۔"
"اور ان چند دنوں میں ان کا چاؤ بھی پورا ہو جائے گا تمہیں [illegible] رکھنے کا۔" ریان نے پھر دخل دیا۔ "شرط لگا [illegible] دن بعد ہی وہ تمہیں یہاں شکریے کے ساتھ [illegible] گے اور ساتھ میں امی ابو اور [illegible] کو خراج تحسین پیش کریں [illegible] ہماری اتنی تاب [illegible]"
"خالہ جان [illegible] ریان کچھ غلط کر رہا ہے۔" [illegible] ماحول پر اچھا [illegible]
[illegible] ہے۔

[illegible] کسی لڑکی سے چیٹنگ کرتے [illegible] لڑکوں کو [illegible] [illegible] غلط فہم لینا کوئی ان پاکستانی نوجوانوں سے سیکھے۔" [illegible] نے آنکھیں بھرے انداز میں سرہلا کے کہا۔
"نہیں خالہ جان! یہ موصوف خود 'چھیل چھبیلے' [illegible] فرضی نام سے بیک وقت دو دو لڑکیوں کو الو بنانے [illegible] مصروف ہیں۔ ایک سے تو ملاقات کا وقت بھی [illegible]"
اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی ریان نے جھنا [illegible] ایک بڑی ڈکشنری اسے اٹھا کے دے ماری۔ وہ تو [illegible] طرف ہو کے بچ نکلی لیکن وہ خود کو ماں کے شاندار [illegible] سے نہ بچا پایا۔ ان کے سامنے دھری ساگ [illegible] کی ٹوکری اس وقت اس کے سر پر اوندھی پڑی [illegible]
[illegible] تیز سے اٹھا کے یہ پہلوان سی کتاب اسے [illegible] ماری [illegible] لگ جاتی تو۔"
"تو کیا۔ [illegible] مت کریں، مرنے والی نہیں ہے [illegible] زیادہ یادداشت چلی جاتی یا پھر کومے میں چلی [illegible] اور میں [illegible] کا [illegible]
[illegible] اوم۔ شانتی شانتی۔"
"[illegible] میں جائیں آپ میرے [illegible] بلکہ فل اسٹاپ [illegible] فیصل [illegible]" اس نے [illegible] اترا کے کہا۔ [illegible]
[illegible] ابھی بھی یہ [illegible] شانتی۔ شانتی۔ شانتی۔"

[illegible]

اور تب وہ پہلی بار اس گھر پوری [illegible] روز کے لیے چھوڑ [illegible] اور رہنے گئی۔ اس گھر میں جو اس کے بھائی کا [illegible] تھا اور اصولاً اسے اس گھر کو اپنا ہی [illegible] سمجھنا بھی چاہیے تھا اور اس نے [illegible] [illegible] ہمیشہ کے لیے رہنے [illegible] خیال [illegible] ریان تھا اور ماریہ [illegible] کا شب و روز [illegible]

ساتھ بھی [illegible] تھے [illegible] [illegible] دل [illegible] جاتے [illegible] طرف [illegible] اچھا [illegible] اسٹوری [illegible] تھا [illegible] سے [illegible] تھا وہ پھر سارے [illegible] لوگوں کے درمیان [illegible] طرف گھبرا گئی۔ جب فیصل اسے لینے آیا تھا تو ریان نے بھی چند روز کے لیے ساتھ چلنے کا پروگرام بنایا تھا اسے بھی کالج سے چھٹیاں نہیں تھیں مگر فیصل نے منع کر دیا۔
"یار! تم پھر کبھی آجانا" خالہ جان! پلیز آپ برا مت محسوس کیجئے گا۔ گھر میں بہت جگہ ہے اور ریان کے آنے سے مجھے خوشی ہو گی لیکن دراصل آج کل ماریہ کی بہنیں رہنے آئی ہوئی ہیں۔ اچھا نہیں لگے گا کہ گھر میں لڑکیوں کے ہوتے ہوئے ریان بھی رہنے آجائے۔ آپ سمجھ رہی ہیں ناں میری بات۔ میرا تو وہ بھائی ہے مگر ماریہ کی بہنوں کے لیے تو غیر ہے۔"
"تم ٹھیک کہہ رہے ہو بیٹا! واقعی یہ بہن کے گھر [illegible] کے رہ نہیں پائیں گی۔ ریان! تم پھر کسی ویک اینڈ پر بھائی کے گھر چلے جانا۔"
"لیکن پھر کسی ویک اینڈ پر ارادہ تو وہاں نہیں ہوگی۔" اس نے آہستہ سے کہا تو وہ چونک کے اسے دیکھنے لگی تھی لیکن اس کے چہرے پر شرارت کے سوا کچھ نہیں تھا۔ وہ سمجھ گئی کہ ریان صرف اسے تنگ کرنے کی نیت سے ساتھ جانا چاہ رہا تھا اور تب اس نے سچ مچ شکر ادا کیا تھا کہ بھیا نے خود ہی اسے منع کر دیا اور اب گھر میں اوپر نیچے دندناتے بھانت بھانت کے لوگوں کو دیکھ کے وہ حیران تھی۔
"بھیا نے تو کہا تھا ان کی سالیاں یہاں رہنے آئی ہیں۔ یہ تو بتایا نہیں کہ ان کا سالا بھی یہیں ڈیرے ڈالے ہوئے ہے اور ماریہ بھابھی کی بچپن کی سہیلی شکیلہ اپنے تین جنات کی نسل کی بچوں اور شہنشاہ جنات قسم کے شوہر کے ساتھ بورے والا سے فیصل آباد رہنے آئی ہوئی ہے۔ بھیا کی سالیاں کیا زیادہ پردہ دار ہیں یا ریان ہی کچھ ایسا ناقابل اعتبار تھا ان کے نزدیک جو وہ اسے یہاں نہیں لائے اور کیا وہ اپنے سالے کو منع

نہیں کر سکتے تھے یہ کہہ کر کہ میری بہن یہاں آ رہی ہے' ترچھے جو اور یہ شکیلہ باجی کا نظر باز شوہر۔ یہ کس رشتے سے اتنی بے تکلفی سے ڈیرے ڈالے بیٹھا ہے۔ عجیب دوغلی سوچ ہے بھیا کی۔ وہ کڑھ کے رہ گئی۔

اگلے پانچ روز اس نے بڑی مشکل سے گزارے۔ پہلے دو روز تو زبردستی خود کو واپس جانے کی ضد سے روکا کہ بھیا برا محسوس کریں گے اور تیسرے دن جب واپسی کا تذکرہ کیا تو توقع کے برعکس بھیا نے مزید رکنے پر اصرار نہ کیا بجائے کہہ دیا کہ اتوار کو چھوڑ آؤں گا۔ اتوار آنے میں دو روز باقی تھے' وہ دل مسوس کے رہ گئی۔ یہاں دن بھی تو پہاڑ سے لمبے تھے۔ حالانکہ گھر میں ہر وقت کسی تقریب کا سماں ہوتا تھا۔

صبح نو بجے سے لے کر دوپہر بارہ بجے تک ناشتہ چلتا رہتا پھر شکیلہ باجی اور ماریہ بھابھی اپنی پرانی دوستوں سے ملنے چلی جاتیں۔ شکیلہ باجی کے بچے پورے گھر میں فساد برپا رکھتے اور ان کے ابا جان فیصل بھیا کی تینوں سالیوں کے درمیان راجہ اندر بن کے بیٹھے رہتے۔ وہ پٹاخہ لڑکیاں انہیں اُلو بناتی جاتیں اور وہ مزے سے بنتے جاتے۔ بیچارے سمجھ رہے تھے کہ وہ ان پر بری طرح فریفتہ ہیں اور ماریہ بھابھی کا اکلوتا بھائی اپنی بڑی بہنوں کی حرکتوں سے انجان بنا مسلسل اروما کے گرد چکر لگانے میں مصروف رہتا۔ وہ بوکھلا کے کمرے میں پناہ لیتی تو چھت پھاڑ دینے والے والیم میں بے ہنگم گانے لگا کر اور چڑاتا۔ کبھی "اساں تیری گل کرنی ۔۔۔ گل کرنی اے ۔۔۔ ڈیڈی گل ۔۔۔" "اکا ہوتا تو کبھی "اچیاں چاچیاں والی" کانوں کے پردے پھاڑ رہا ہوتا۔

شام کو فیصل کے آنے سے پہلے ماریہ گھر پہنچ چکی ہوتی اور ساتھ ہی اس کے کانوں تک اروما کی دن بھر کی مصروفیت کی رپورٹ بھی پہنچ چکی ہوتی اور فیصل کے آنے پر وہ بڑے گلے کے ساتھ سب دہرا دیتی۔

"اروما تو ہمیں اپنا سمجھتی ہی نہیں' ذرا انہیں گھلتی ملتی' سارا سارا دن کمرہ بند کیے بیٹھی رہتی ہے۔ میرا تو خیال تھا' وہ آ رہی ہے' خوب رونق لگے گی گھومنے پھرنے کے پروگرام بنائیں گے مگر وہ تو دو گھڑی ساتھ بیٹھنے کی روادار نہیں۔ شاید ہم لوگ اسے پسند نہیں۔ ناشتے کے وقت کمرے سے نکلتی ہے اور دوسری بار دوپہر کے کھانے پر اور آج تو دوپہر کو بھی کھانا ٹرے میں رکھ کے اپنے کمرے میں لے گئی۔ چلیں' مجھے تو کوئی اعتراض نہیں' عجب ہے اس کی عادت ایسی ہی ہوگی۔ آپ کی خالہ نے اچھی تربیت نہیں کی تو اس بیچاری کا کیا قصور۔ اب اسے کسی نے اپنی کیٹس اور مینرز سکھائے ہی نہیں کہ ۔۔۔ دیکھیں ناں' شکیلہ کتنا برا محسوس کرتی ہوگی۔ میری بہنوں کی تو بات چھوڑیں وہ کوئی غیر نہیں' اگر برا لگے گا بھی تو آپ کی وجہ سے نظر انداز کر دیں گی لیکن مہمانوں کے سامنے اپنا کھانا نکال کر الگ لے جانا کتنا بے عزتی کرنے والا کام ہے۔"

اور فیصل فوراً غصے کے اس کے پاس چلا آتا۔

"اتنی بڑی ہو گئی ہو مگر تمہیں لوگوں کے ساتھ رہنے کا طریقہ' سلیقہ نہیں آیا۔ ماریہ میری بیوی ہے' تم اس سے محبت نہیں کر سکتیں نہ کرو' عزت نہیں دے سکتیں مت دو مگر کم از کم لحاظ تو کرو۔ تمہارے طور طریقوں پر وہ کتنی شرم محسوس کرتی ہے۔ کیا تکلیف ہوگی تمہیں جو تم کچھ وقت گھر آئے مہمانوں کے ساتھ گزار لو۔ اس طرح منہ بنا کے کمرے میں بند رہ کے تم کیا ثابت کرنا چاہتی ہو۔"

اس کے تیور اتنے خطرناک اور الفاظ اتنے سخت ہوتے کہ وہ دل ہی دل میں معظم کی شکایت لگانے کا ارادہ کرنے کے باوجود چپ کی چپ رہ جاتی۔ اسے خود اپنی اس خود ساختہ نظر بندی سے الجھن محسوس ہو رہی تھی لیکن مسئلہ یہ تھا کہ معظم اور شکیلہ باجی کے شوہر نذر بھائی جان کی نظریں اور فقرے زیادہ الجھن کا باعث بنتے تھے۔

خدا خدا کر کے یہ چند دن گزرے اور فیصل اسے واپس لاہور چھوڑنے آیا۔ اس نے خالہ سے بہن کے گریز بھرے رویے کی شکایت بھی کی۔ ان کے بازپرس کرنے پر بھی وہ خاموش ہی رہی۔ دل تو چاہ رہا تھا ماں کی شفقت بھری آغوش میں خود کو چھپا کر معظم کی ہر ایک ذلیل حرکت اور ماریہ بھابھی کی چشم پوشی سے لے کر بھیا کی جانبداری تک سارے شکوے سنا دے مگر اس کی خاموشی میں بھی ایک مصلحت تھی' وہ ان سے ذکر نہیں کرنا چاہتی تھی کہ وہ بھیا جو ریان کو صرف اس لیے نہیں ساتھ لے جا سکے کہ ان کے خیال میں ماریہ کی بہنوں کی موجودگی میں ایک جوان لڑکے کا وہاں جانا معیوب تھا۔ وہی بھیا اپنی بہن کو ان مشٹنڈوں کے ساتھ چھوڑ کر سارا سارا دن غائب رہتے تھے۔

وہ جانتی تھی کہ خالہ کو یہ حقیقت جان کر دکھ ہوگا' انہیں دکھ نہ پہنچانے کی غرض سے اس نے اپنا دکھ اندر ہی اندر پی لیا لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ تہیہ بھی کر لیا کہ اب وہ کبھی وہاں نہیں جائے گی۔ بھابھی کی عیاریوں اور ۔۔۔ سے بڑھ کر بھیا کی دوغلی پالیسی اور بے حسی نے اس کا دل توڑ دیا تھا۔

لیکن جب وہ سیکنڈ ایئر کے ایگزیمز دے رہی تھی تب ماریہ بھابھی کی دوسرے بچے کی پیدائش نزدیک تھی اور فیصل کا اصرار تھا کہ اروما پیپرز دیتے ہی فیصل آباد آ جائے کیونکہ ماریہ اس حالت میں گھر اور بچے دونوں کو سنبھالنے سے قاصر ہے۔ اس بار ناہید بھی اروما کا ساتھ نہ دے سکیں۔

"بیٹا! وہ تمہارا بھائی ہے' اس کا تم پر حق بنتا ہے بلکہ تمہارا ہی اپنا گھر ہے۔ پیپرز کے بعد تم یوں بھی دو مہینے تک فارغ ہو۔ کیا حرج ہے جو بھائی کا گھر سنبھال لو گی۔ وہاں ماشاء اللہ نوکر چاکر ہیں' کون سا تمہیں ہل جوتنا ہیں۔ بس ذرا گھر بار اور بچے کا دھیان ہی تو رکھنا ہے۔"

"لیکن وہ میں کیسے رکھوں گی۔ خالہ جان! آپ خود ہی تو کہتی ہیں کہ میں لاپروا ہوں' غیر ذمہ دار ہوں اور یہ کہ مجھے کچھ نہیں آتا' میں کوئی کام بھی ڈھنگ سے نہیں کر سکتی۔" اس نے خوشی خوشی اپنی خصوصیات گنوائیں کہ شاید وہ متاثر ہو جائیں لیکن انہوں نے رد کر دیا۔

"اس طرح تو تمہیں کبھی کچھ نہیں آئے گا۔ سر پہ پڑے گی تب ہی کچھ سیکھو گی۔"

"آخر پچھلے سال بھی تو ۔۔۔ میرا مطلب ہے کہ پچھلی دفعہ بھی تو ماریہ بھابھی کی بہن آ گئی تھی' وہ سارے کام کر گئی' چلو اس کی تو چھٹی ہو گئی۔ یعنی وہ شادی کے بعد لاہور آ گئی لیکن ابھی وہ مائرہ بھی تو ہے' بھیا اسے لے آئیں۔"

"اس کی شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔"

"تو وہ پھوپھی جان کس مرض کی دوا ہیں۔ وہ آ جائیں اپنی لاڈلی بیٹی کے پاس۔"

"اور تم کس وبا کی ویکسین ہو' تم کیوں نہیں چلی جاتیں اپنے لاڈلے بھیا کے پاس۔" ریان کی بات پر اس نے تڑپ کے دہائی دی۔

"کیا تھا جو تم کچھ دیر اور باہر خجل خوار ہوتے رہتے۔"

"بحث ختم کرو' بس میں نے کہہ دیا کہ تم فیصل کے ساتھ جاؤ گی۔"

"تو پھر آپ بھی میرے ساتھ چلیں۔"

"میں ۔۔۔ بیٹا! میں کیسے ۔۔۔" انہیں چلنے پر اعتراض نہ تھا مگر فیصل نے کبھی جھوٹے منہ ساتھ چلنے کو نہ کہا تھا۔ وہ کیسے چلی جاتیں۔

"تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے' یہاں بھی تم میری ماں کو چمٹی رہتی ہو اور اگر کبھی جو تمہارے منظر سے غائب ہونے کی سبیل نکلتی ہے تو تب بھی تم انہیں ساتھ لے جانے پر بضد ہو۔ جان چھوڑ دو بی بی!" اس نے باقاعدہ ہاتھ جوڑے تو وہ اور ضد میں آ گئی۔

"ساری زندگی جان نہیں چھوڑوں گی' سمجھے ۔۔۔ اور ہاں' ہمیشہ رہوں گی تمہاری ماں سے ۔۔۔" وہ ناہید سے چمٹ گئی۔ "کر لو جو کرنا ہے۔"

"جونک ۔۔۔" وہ بڑبڑاتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ ناہید نے اپنے شانے پر رکھے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور مسکرا دیں۔ ابھی ابھی اسی وقت انہیں ایک بڑا خوش کن سا خیال آیا تھا۔

"پلیز خالہ جان! کچھ بھی کریں لیکن مجھے یہیں

رہنے دیں۔" وہ پھر منمنائی۔

"ہاں ہاں، تم یہیں رہو گی۔" انہوں نے مسلسل مسکراتے ہوئے اپنے ہی خیال کی تائید کی۔ بعد میں فیصل کو طریقے سے سمجھایا۔

"اروما بچی ہے فیصل! اسے کیا پتا ماریہ کی اس حالت میں کیسے کیئر کرنی ہے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں' اگر تم اسے [illegible] چاہتے ہو بلکہ وہ خود بھی خوشی خوشی تیار ہے مگر اتنے سے بچے کو سنبھالنا اس کے بس سے باہر ہے۔ اتنے چھوٹے بچے کی سو ضروریات ہوتی ہیں' وقت پر دودھ' نیپی بدلنا' سلانا وغیرہ۔ ایسا نہ ہو کہ تم اسے اپنی سہولت کے لیے لے جا رہے ہو' الٹا تمہیں اسے بھی سنبھالنا پڑے۔ یہ تو بڑی جلدی گھبرا جاتی ہے۔ میری مانو تو تم کسی تجربہ کار خاتون کو چند روز کے لئے گھر لے آؤ۔ تمہاری چچیاں ہیں' پھوپھیاں ہیں۔"

فیصل کو برا تو [illegible] ان کی بات ٹالا بھی نہ سکا۔ مگر یہ جتا دیا۔

"لیکن خالہ جان! آخر آپ کب تک بچی ہی بنائے رکھیں گی اسے' تایا جان کی بیٹی بھی ایف اے کے پیپرز دے رہی ہے مگر سارے گھر کو سنبھالا ہوا ہے لیکن اتنا لاڈ پیار دے کر آپ نے اس کا بیڑا غرق کر کے رکھ دیا ہے۔ کل کو اس کی شادی بھی کرنی ہے' یہی حالات رہے تو آپ ایمان سے بتائیں کہ کیا اس کا گزارہ کہیں ہو گا۔"

"اپنے تایا کی لڑکی کی بات تم نے خوب کہی۔" ناہید کو تاؤ آگیا۔ "وہ کہاں سے میری اروما کی ہم عمر ہو گئی۔ پتا نہیں درمیان کے کتنے سال گھر بٹھائے رکھا رشتے کی آس میں اور اب جب چار پیسے پھر سے جڑ گئے تو کالج ڈال دیا پچیس سال کی لڑکی کو۔ اتنا عرصہ گھر بیٹھی رہی' ظاہر ہے گھر کے کاموں میں ماہر تو ہو گی۔ اروما تو پندرہ سال کی تھی جب میٹرک کیا اور ایسی بھی پھوہڑ نہیں۔ لاڈ پیار اپنی جگہ لیکن میری تربیت کو آئے دن الزام مت دیا کرو۔ شفیق کا بس چلے تو اسے تنکا نہ توڑنے دیں پھر بھی میں نے اسے گھر کے کئی کاموں میں لگا رکھا ہے۔ شام کی چائے وہ بناتی ہے' رات کو روٹیاں ڈالتی ہے' کبھی کبھی آٹا بھی گوندھ لیتی ہے' چھٹی کے دن صفائی کرتی ہے' پچھلی چھٹیوں میں چائنیز' بیکنگ کے کورسز بھی کیے ہیں۔ سوچ رہی ہوں ان چھٹیوں میں اسے سلائی کڑھائی بھی سکھا ڈالوں لیکن بیٹا! ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے۔ تمہارا گھر ماشاءاللہ آئے گئے والا ہے۔ اسے اتنے لوگوں میں رہنا نہیں آتا' کجا کہ وہ سنبھال پائے گی۔"

"یہی تو میں کہنا چاہتا ہوں' اسے ہر ماحول میں ڈھلنے کی عادت ہونی چاہیے۔ اگر اس کی شادی کسی بھرے پرے گھر میں ہو گئی تو...؟"

"اس بارے میں بھی فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔" وہ اس پر اپنا وہ خیال ظاہر کرنا چاہتی تھیں جو کل ہی اچانک انہیں سوجھا تھا اور جس نے اچانک ان کے اندر اطمینان ہی اطمینان بھر دیا تھا لیکن وہ رک گئیں۔ شفیق صاحب نے تو مشورہ دیا تھا کہ فیصل کو بھی اعتماد میں لے کر اس فیصلے میں شریک کر لینا چاہیے مگر ناہید نے انکار کر دیا۔

"یہ تو طے ہے کہ ابھی دو تین سال تک اروما کی شادی کرنا مناسب نہیں۔ کم از کم وہ بیس اکیس کی تو ہو جائے' اس کا گریجویشن بھی ہو جائے پھر سوچا جائے گا۔ اس سے پہلے اروما اور ریان کی بات پھیل جانے سے [illegible] پیدا ہوں گی۔ ایک وہ سب سے بڑا فتنہ تو خود فیصل کی بیوی ہے... وہ ماریہ... میں اسے اتنا وقت نہیں دینا چاہتی کہ وہ کوئی چال چلے۔ مارے حسد کے وہ کچھ بھی کر سکتی ہے اور ایک بات اور بھی ہے۔ وقت سے پہلے دونوں کی نسبت کا اعلان اروما کا اس گھر میں رہنا مشکل بنا دے گا۔ فیصل بھی اعتراض کرے گا کہ وہ شادی سے پہلے بہن کا یہاں رہنا پسند نہیں کرتا... خوامخواہ کے مسئلے پیدا کرنے کے بجائے بہتر یہی ہے کہ ڈیڑھ دو سال انتظار کر لیا جائے' اس کا بی اے پورا ہوتے ہی میں فیصل سے بات کراؤں گی۔"

ناہید کو ہر بات اور ہر کام کا وقت پر طے ہونا پسند تھا۔ وقت سے پہلے کسی بھی بات کا ڈھنڈورا پیٹنا ان کا

اصس[illegible] تھا اور شاید ان کی یہی عادت ریان میں بھی آچکی تھی۔ وہ بھی وقت کا انتظار کر رہا تھا۔ کسی مناسب وقت کا۔ اور وہ وقت آ ہی نہ رہا تھا۔ بہت زیادہ دن نہ گزرے تھے جب اس کے دل نے پہلی بار اروما کے لیے کوئی سرگوشی کی تھی اور اتنا کم عرصہ بھی نہ ہوا تھا ان سرگوشیوں کو سنتے ہوئے مگر نجانے کیا بات تھی۔ وہ نہیں کہ ان سرگوشیوں کو سن کر چپکے سے بس دبا تو آتا پھر [illegible] ابھی کیا اور کس سے کہتا۔ اس سے جو ابھی تک خود انجان تھی۔ اس کے دل کی بدلتی حالت سے بے واقف ہوتی۔ کبھی کبھی اس کا دل شدت سے چاہتا کہ [illegible] اس سرگوشی کو دھیرے سے اس کے کان میں دہرا دے مگر تصور میں اس کی دہشت سے چمکتی آنکھیں اور [illegible] ہوتی حالت دیکھ کے خود کو بمشکل باز رکھتا۔ اس کے خیال میں اروما ابھی اتنے اہم راز میں شریک ہونے کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔ البتہ رازیوں میں وہ شریک تھی۔ ریان کے ساتھ زبانی کبڈی معرکوں میں اس کے جوہر خوب کھلا کرتے۔ اسے بھی اروما کو ستا کر مزا آتا۔

یوں ہی لڑتے جھگڑتے دو سال اور بیت گئے۔ اب اس میں پہلے کی نسبت خاصا ٹھہراؤ آگیا تھا۔ پہلے کی طرح وہ بات بات پر کھل کھلاتی نہیں وہ ڈلی تھی۔ ریان کو ناسمجھی بڑی مرحب تاہم اب سمیں جا کے وہ سمجھ تیز ہوئی۔

٭ ٭ ٭

وہ فائنل ایئر کے امتحانات کی تیاری کر رہی تھی جب فیصل، ماریہ، معظم اور ریان وغیرہ آیا۔ ماریہ کے بہن بھائی نے آنا تھا اور اس بار ڈاکٹر نے بال میں [illegible] بتایا تھا۔ لاہور کے ایک بڑے پرائیویٹ کلینک میں انتظام کرایا گیا تھا۔ [illegible] روز پہلے ہی ناہید کے اصرار پر وہ اسے یہاں لے آیا تھا۔ اب بھی ناہید کا ارادہ اس بار فیصل سے اروما اور ریان کی بات طے کرنے کا تھا لیکن فیصل شاید پہلے ہی معظم سے طے کر کے آیا تھا۔ اس نے خالہ سے تذکرہ کیا۔

”پھوپھی جی نے معظم کے لیے اروما کا ہاتھ مانگا ہے۔“

”کیوں؟“ وہ ہکا بکا رہ گئیں۔

”کیا مطلب کیوں؟ بھئی ظاہر ہے کوئی کسی لڑکی کا ہاتھ اپنے بیٹے کے لیے کیوں مانگتا ہے۔“ وہ چیں بہ جبیں ہوا۔

”لیکن کیا انہیں پتا نہیں کہ ان کی اپنی بیٹی اس گھر کی بہو ہے اور نہ ہمارے خاندان میں وٹے سٹے کا رواج ہے نہ ہی ان کے، پھر انہوں نے ایسا سوچا بھی کیسے۔“

”یہ وٹہ سٹہ بیچ میں کہاں سے آگیا۔ ایک ہی گھر کی بات ہے۔ نہ وہ غیر ہیں نہ ہم جو یہ رواج [illegible] جائیں۔ ویسے بھی رشتہ اچھا ہو تو یہ فرسودہ رواج نظر انداز کرنے پڑتے ہیں۔“

”مثلاً کس لحاظ سے اچھا ہے یہ رشتہ؟“ انہوں نے تحمل سے دریافت کیا۔

”سب سے بڑی بات یہ کہ رشتہ خاندان کا ہے، پھوپھی جی غیر نہیں ہیں۔ وہ اروما کو بہو نہیں بیٹی بنا کے پیار دیں گی۔ اسے بھی سسرال میں ایڈجسٹ ہونے میں وقت نہیں لگے گا۔ دوسری بات پڑھا لکھا، خوبرو نوجوان ہے۔ ٹھیک ٹھاک کما لیتا ہے اور کیا چاہیے۔“

”اور اگر میں اس سے ہزار گنا اچھا رشتہ پیش کروا دوں تو؟“

”کس کا؟ کیا کوئی اور بھی پیام آیا ہے اروما کا؟“ اس نے تیوری چڑھا کے پوچھا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

”ریان کا۔ جو تمہارے بتائے رشتے سے ہر لحاظ سے اچھا ہے۔ وہ بھی خاندان ہی کا ہے، میں بھی کوئی غیر نہیں اور تمہاری پھوپھی جی سے کہیں زیادہ میں اروما کو پیار دوں گی بلکہ دیتی آئی ہوں۔ میری بھی وہ بہو نہیں بلکہ بیٹی ہوگی۔ یہاں وہ صرف آسانی سے ایڈجسٹ نہیں ہوگی بلکہ پہلے ہی سے ایڈجسٹ ہے، ریان تمہارے سالے کی نسبت زیادہ اعلا تعلیم یافتہ ہے۔

[illegible] میں بھی اس سے زیادہ خوبرو ہے۔ تمہارا سالا [illegible] مل میں ملازمت کرتا ہے جب کہ وہ ایک [illegible] کمپنی میں جاب کر رہا ہے اور اس کے پاس [illegible] کے کئی مواقع ہیں۔ اروما کو احساس کمتری بھی [illegible] ہوگا کہ اس کا شوہر اس کے بھائی کا ملازم ہے۔ [illegible] تم بتاؤ کہ تمہیں اور کیا چاہیے۔“

[illegible] ایک پروپوزل فیصل نے ان کے سامنے رکھا تو ایک انہوں نے اس کے سامنے رکھ دیا۔ انہیں سوچنے کی ابھی ضرورت نہیں تھی جب کہ فیصل سوچ میں پڑ گیا تھا۔ جو بھی تھا بہرحال وہ اروما کا بھائی تھا اور اس کے بہتر ہی سوچنا چاہتا تھا۔ ریان اسے ہر لحاظ سے معظم کے مقابلے میں نمایاں نظر آ رہا تھا۔ وہ اس بات سے بھی آگاہ تھا کہ اروما اس گھر کے ماحول میں کس طرح رچ بس گئی ہے۔ ایسے میں اگر وہ حتمی فیصلہ کرنے سے ہچکچا رہا تھا تو وجہ صرف ماریہ تھی جو معظم کے لیے [illegible] طرح دباؤ ڈال رہی تھی۔ اس نے ماریہ کے سامنے خالہ کی بات رکھی تو حسب توقع وہ [illegible] تھی۔

”میں تو پہلے ہی کہتی تھی یہ ضرور کوئی پھڈا ڈالیں گی۔ بڑی بری عادت ہے انہیں ہر معاملے میں دخل اندازی کرنے کی۔ اب [illegible] کچھ نہیں سوجھا تو اپنا لڑکا بیچ میں ٹپک پڑا۔ سارا [illegible] کیا ہے کیا ضرورت تھی یوں سر جوڑ کے مشورہ کرنے کی۔ سیدھا [illegible] اروما نے [illegible] ہاتھ میں پکڑا کے خالہ کو مبارک [illegible] آئے ہیں۔“

”ایسا کیسے ہو سکتا ہے، بہرحال وہ ہمارے بڑے ہیں [illegible] وقت میں ہمارا سہارا بنی ہیں اور اروما کی تو ساری ذمہ داری ہمیشہ سے ہی انہوں نے نبھائی ہے پھر میں بے غیروں کی طرح انہیں یہ خبر سنا آتا۔ میں نے تو اپنا [illegible] سمجھتے ہوئے ان سے مشورہ کرنا چاہا تھا۔“

”اور انہوں نے رنگ میں بھنگ ڈالنے کو اپنا فرض سمجھتے ہوئے سارا مسئلہ ہی الٹ دیا۔“

”کیا حرج ہے اگر ریان کے بارے میں بھی سوچ لیا جائے۔“ اس نے دبے دبے انداز میں صلاح دی۔

”حسن [illegible]؟ بات میری عزت کی ہے۔ میرے بھائی کا رشتہ پہلے آیا ہے اگر اسے مسترد کر کے [illegible] میرے ایرے غیرے کا رشتہ قبول کیا تو یہ صرف میری نہیں میرے پورے خاندان کی بے عزتی ہوگی۔ ایسا سوچنے کی ہمت بھی مت کرنا۔“

”اوہو! کیوں خواہ مخواہ بگڑ رہی ہو۔ ایک وقت میں وہ یا دو سے زیادہ رشتے آ جانا کوئی انوکھی بات تو نہیں۔ بیٹیوں والے گھروں میں تو یہ ہوتا ہی ہے اور دیکھ بھال کے سب سے بہتر رشتہ منتخب کیا جاتا ہے۔“

”اچھا تو وہ بڑبولا اب میرے سوبر سے بھائی سے بہتر ہو گیا۔“

”میں نے یہ کب کہا۔ میں تو صرف اتنا کہہ رہا ہوں کہ اور کچھ نہیں تو کم از کم اروما کی ہی مرضی جان لی جائے۔ ریان میرا دیکھا بھالا ہے اور معظم میں بھی کوئی برائی نہیں۔ میری نظر میں دونوں رشتے مناسب ہیں بس اروما کا فیصلہ آخری ہوگا۔ اگر وہ معظم کے حق میں ووٹ دیتی ہے تو خالہ جان کی ناراضی کی بھی مجھے پروا نہ ہوگی۔ لیکن اگر وہ ریان کے حق میں فیصلہ سناتی ہے تو ماریہ۔۔۔“ وہ رکا پھر مضبوط لہجے میں حتمی بات سنا دی۔ ”پھر تمہیں اعتراض کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ میں کسی اعتراض کو خاطر میں نہ لاؤں گا۔“

ماریہ اس کے تیور دیکھ کے تلملائی ضرور مگر مصلحت کا تقاضا تھا کہ نرمی مگر ہوشیاری سے معاملہ سنبھالا جائے اس لیے پھر سے پینترا بدلا۔

”ہاں یہ کی ہے ناں اب عقل والی بات، واقعی۔ اروما کا فیصلہ ہی ہمیں کسی نتیجے پہ پہنچا سکتا ہے وہ ماشاء اللہ سمجھدار ہے۔ اپنا برا بھلا جانتی ہے پھر کیا خیال ہے، آج ہی اس سے بات کر لوں۔“ وہ اٹھنے پہ آمادہ تھی مگر فیصل نے روک دیا۔

”یہ کون سا وقت ہے ایسی باتیں کرنے کا۔ کل پرسوں کسی روز آرام سے بیٹھ کے یہ دونوں پروپوزلز اس کے سامنے رکھ دینا۔ اسے ہر پہلو سے سوچنے سمجھنے کے لیے پورا وقت دینا اور ہاں، کسی قسم کا دباؤ مت

النساس ہے۔"

"آپ کو تو میری ہر حرکت پہ شک کرنے کی عادت ہے۔ جائیں۔ میں نہیں کرتی بات' آپ خود ہی کرلیں۔"

اس نے بگڑے تیوروں کے ساتھ رخ پھیر لیا تو فیصل کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ یہ اس کی ناراضی کا آغاز تھا اور اگر ابتدائی طور پہ ہی وہ کوئی سدباب نہ کرتا تو یہ ناراضی شدت اختیار کرنے والی تھی۔ اور یہ تو صرف وہی جانتا تھا کہ اسے منانے کے لیے کتنے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں اور یہاں۔۔۔ اس گھر میں اتنے سب لوگوں کے سامنے وہ کوئی تماشا نہیں بنوانا چاہتا تھا۔

"ماریہ! شک میں نہیں کرتا بلکہ تمہیں میری ہر بات کا غلط مطلب نکالنے کی عادت ہے' خدا کی قسم میرا وہ مطلب نہیں تھا جو تم سمجھی ہو پھر بھی اگر تمہیں برا لگا ہے تو یہ دیکھو۔۔۔ میں معافی مانگ رہا ہوں۔۔۔ دیکھو پلیز غصہ مت کرنا' تمہارے لیے یہ بالکل اچھا نہیں' بی پی ہائی ہو گیا تو طبیعت بگڑ جائے گی۔ اروما تمہاری نند ہی نہیں۔ بہن بھی ہے۔ اس سے تم بات نہیں کرو گی تو اور کون کرے گا۔ مجھ سے تو کھل کے بات کرتے ہوئے وہ جھجکے گی۔"

فیصل اسے مناتا رہا اور وہ خاموش بیٹھی دل ہی دل میں مختلف پلان بناتی رہی۔

☼ ☼ ☼

"ریان!"

وہ نائٹ بلب کی روشنی میں بیڈ پہ آڑا ترچھا پڑا تھا۔ جب کمرے کے بند دروازے کے اس پار سے ہلکی سی دستک کے ساتھ امی جان کی آواز سنائی دی۔ وہ کسلمندی سے اٹھا۔ دروازے کا ہینڈل گھماتے ہوئے وال کلاک پہ نظر ڈالی۔ رات کے پونے تین ہو رہے تھے اس نے اس وقت ان کے آنے پہ حیران ہوتے ہوئے دروازہ کھولا۔ وہ نماز کی چادر لپیٹے ہاتھ میں دودھ کا گلاس لیے کھڑی تھیں۔

"تم نے رات کو کھانا ٹھیک سے نہیں کھایا تھا' میں تہجد کے لیے اٹھی تو سوچا پہلے تمہیں گرم دودھ دے آؤں۔ لو پی لو اور اب سونے کی کوشش کرو۔" وہ واپس پلٹ گئیں اور وہ سوچتا رہ گیا۔

"امی آپ کو کیسے پتا کہ میں اب تک جاگ رہا ہوں اور اگر جانتی ہیں تو کیا آپ یہ بھی جانتی ہیں کہ میں "کیوں" جاگ رہا ہوں۔۔۔ لیکن ۔۔۔ نہیں۔۔۔ آپ کو کیسے پتا چلے گا۔ میں نے تو کبھی آپ کو بتایا بھی نہیں۔ نہ آپ کو۔۔۔ نہ اس کو۔۔۔ مگر کسی نے کبھی پوچھا بھی تو نہیں۔۔۔ نہ آپ نے ۔۔ نہ اس نے۔۔۔ کوئی تو پوچھے۔۔۔ کوئی تو مجھ سے پوچھے کہ ریان! تم کیوں جاگتے ہو۔ تم نے کس کے پاس اپنی نیندیں گروی رکھی ہیں۔ تم کس سے رت جگے سود [illegible] لائے ہو۔ کوئی تو پوچھے۔۔۔ یہ خسارے بھرا لین دین میں نے کس آس پہ کیا [illegible] گھاٹے کا سودا [illegible] نے کس دھڑکے سے قبول کیا۔ کوئی تو پوچھے۔۔۔ کوئی تو جانے۔۔۔"

☼ ☼ ☼

جب ناہید نے ریان کو اس بات سے آگاہ کیا کہ وہ اروما کے لیے فیصل سے بات کر چکی ہیں تو کتنی ہی دیر مارے حیرت اور خوشی کے وہ کچھ بول ہی نہ سکا اور جب بولا تو صرف یہ۔

"او امی۔۔۔ اتنی جلدی۔۔۔ ابھی تو میں نے۔۔۔"

"کیا ابھی میں نے۔۔۔ تیئیس سال کے ہو رہے ہو۔ میرے [illegible] تمہیں دولہا بنانے کے خواب دیکھ رہی ہوں۔ [illegible] کہ میں نے تمہیں تیئیس سال کا تو ہونے دیا ورنہ تمہارے سر پہ سہرا سجانے کا ارمان تو میرے دل میں تمہارے ساتھ ہی پیدا ہو گیا تھا۔ بس اب مجھ سے اور صبر نہیں ہوتا اور تم کہہ رہے ہو کہ یہ جلدی ہے۔"

"نہیں۔ میرا مطلب یہ نہیں' آپ شوق سے اپنے ارمان پورے کیجیے۔ بلکہ آپ ناحق اتنے سال دل مارتی رہیں۔ مجھے حکم کرتیں۔ میں گیارہ سال کی عمر میں بھی دولہا بننے کو تیار تھا لیکن۔۔۔ جلد بازی تو پھر بھی ہو گئی آپ سے۔" خوشی کی زیادتی سے وہ ادھر ادھر کی ہانک رہا تھا۔

"کیسی جلد بازی۔"

"ابھی تو میں نے۔۔۔ اوہو۔۔۔ آپ سمجھتی کیوں نہیں۔۔۔ اچھا چلیں۔ ایک بات تو میری مان لیں کہ ابھی اروما سے اس بات کا ذکر مت کریں ورنہ تو سارا کریڈٹ آپ لے جائیں گی۔"

"کیسا کریڈٹ۔۔۔؟ کیسی عجیب باتیں کر رہے ہو؟"

"آپ نہیں سمجھیں گی۔" وہ بڑبڑاتا ہوا وہاں سے ہٹا۔

"میری اچھی بھلی چلتی خاموش سی لو اسٹوری کو آپ اپنی جلد بازی کے ہاتھوں سماجی و معاشرتی اصلاح [illegible]م کی ڈرامائی تشکیل دینے جا رہی ہیں۔ مسٹر ریان شفیق۔ اب بھی وقت ہے' منہ سے کچھ پھوٹ لو ورنہ لو اسٹوری لو میرج تک نہ پہنچے گی بلکہ ایک بے رونق سی ارینج میرج میں بدل جائے گی۔ میں خواہ مخواہ ہی اتنا [illegible] بات لٹکاتا رہا کہ ابھی وقت نہیں آیا۔ ابھی وقت نہیں آیا۔ اور یہ دیکھو' وقت سر پر کھڑا شہنائیاں بجا رہا ہے۔ میں نے زندگی بھر میں اکلوتی محبت کی ہے اور اکلوتی ہی لڑکی سے شادی بھی کرنی ہے' پھر کیوں دل کی ساری باتیں دل میں [illegible] رہنے دوں۔ اور وہ کٹ کھنی بلی ڈائریکٹ کزن سے وائف بن جائے۔۔۔ اور میں دل کی ساری حسرتیں دل میں ہی لیے اپنی زندگی کی اس پہلی [illegible] اپنی بیچلر لائف کا خاتمہ کر دوں' نہیں یار۔۔۔ کوئی رومانٹک سا جوکا۔۔۔ جھٹکا لگنا چاہیے۔" وہ سب [illegible] اسے ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔ جو ہر بار اسے سامنے پا کر جاننے کے باوجود کہہ نہیں پاتا تھا۔

"بھابھی! آپ نے اروما کو کہیں دیکھا ہے؟" جب اس کے کمرے کے علاوہ کچن' ٹیرس اور لان میں بھی اسے ڈھونڈ آیا تو گیسٹ روم میں جھانک کے ماریہ سے پوچھنے لگا۔

"کیوں؟ تم نے کبھی نہیں دیکھا؟" اس نے ہمیشہ کی طرح ٹیڑھی بات کی۔ اس کا موڈ خراب ہو گیا۔ وہ ہر سیدھے سادے جملے کا جواب بھی اس قدر توڑ مروڑ کے دیتی تھی کہ سامنے والے کو ضبط کرنا مشکل ہو جاتا۔ وہ بھی لحاظ کے مارے چپ کر گیا۔ واپس پلٹنے کو تھا کہ پیچھے سے اس کی آواز آئی۔

"کیا بات ہے؟ ہر وقت اسی کے پیچھے پھرتے رہتے ہو؟" اس نے اس قدر چبھتے ہوئے انداز میں پوچھا کہ وہ سر سے پیر تک سلگ کے رہ گیا۔

"آپ نے مجھے کب کسی کے پیچھے پھرتے دیکھ لیا ہے۔؟ امی کو اس سے کام تھا اس لیے بلانے آیا تھا۔"

اس نے بات بنائی جو بن نہ سکی کیونکہ ماریہ نے مسکرا کے بتایا۔

"وہ تو فیصل اور بچوں کے ساتھ سندباد گئی ہے اور خالہ کے سامنے ہی سب ابھی کچھ دیر پہلے نکلے ہیں۔ کمال ہے خالہ اتنی جلدی بھول گئیں۔ یا پھر تمہیں ہی جلدی میں کچھ اور نہ سوجھا۔"

ماریہ کی ریان سے ویسے ہی خاص نہ بنتی تھی اور جب سے پتا چلا تھا کہ وہ اس کے بھائی کے مقابلے پہ آ رہا ہے' اسے سخت تاؤ آ رہا تھا اور شومئی قسمت کہ ریان اس وقت اس کے سامنے آ نکلا اور۔۔۔ حساب اٹھا رکھنا تو ماریہ کی فطرت میں ہی نہ تھا' بظاہر ہنستے ہوئے اس نے کئی نوکیلے وار کر دیے۔ اندر ہی اندر الجھتا ریان گھر سے نکل گیا۔ دیر رات گئے واپس آیا تو لاؤنج کی لائٹ آن تھی۔ وہ کچھ سوچ کے خوشگوار سے احساسات میں بھیگ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ جس رات اسے آنے میں دیر ہو جائے' اروما اپنے کمرے میں جانے کے بجائے یہیں لاؤنج میں بیٹھ کر اس کا انتظار کرتی ہے تاکہ اس کے خالو اور خالہ کی نیند خراب نہ ہو۔ دونوں ہی تہجد کے لئے اٹھنے کے عادی تھے۔ اس لیے عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد جلدی سو جاتے' وہ نیند سے بے حال بھی ہوتی تو اس کا انتظار کرتی رہتی اور پھر سو سو باتیں سنا کر اور لاکھوں احسان جتاتے ہوئے اسے رات کا کھانا اور ایک کپ چائے عنایت کی جاتی۔ اس وقت بھی اس کی تمام تر کڑوی کسیلی سننے کے لیے خود کو تیار کرتے ہوئے ریان آگے بڑھا' آج اس کے پاس اروما کی بولتی بند کرنے کے لیے ایک ہی ہتھیار کافی تھا اور وہ اس کی متوقع حالت کا تصور کرتے ہوئے مسکرانے لگا۔

اروما صوفے پہ متفکر سی بیٹھی ناخن دانتوں سے کتر رہی تھی۔ یہ اس کی بچپن کی عادت تھی جسے ناہید نے پیار، نصیحت اور ڈانٹ ڈپٹ کے مختلف حربوں کے ساتھ بالآخر چھڑا ہی دیا تھا لیکن اب بھی کبھی کبھار جب وہ کسی ٹینشن میں ہوتی یا گھبراہٹ کا شکار ہوتی تو انگلیاں خود بخود ہی منہ تک چلی جاتیں۔

"کہیں امی نے اسے بتا تو نہیں دیا۔ شاید اسی لیے نروس ہو رہی ہے میرا سامنا کرنے سے۔" وہ اندازہ لگاتے ہوئے اس کے پاس پہنچا۔

"آ گئے تم۔" اسے سامنے پا کر وہ ایکدم بے تابی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ حیران رہ گیا اس بے ساختہ پذیرائی پر۔

"کب سے انتظار کر رہی ہوں، بس تمہیں بھی ذرا خبر ہو جائے کہ کہیں تمہاری ضرورت ہے فوراً "مہنگے" اور نایاب ہو جاتے ہو۔" اگرچہ وہ پہلے کی طرح اس کے دیر سے آنے پر خالہ کو شکایت لگانے اور آئندہ کھانا نہ گرم کر کے دینے والی دھمکیاں نہیں دے رہی تھی۔ مگر اس کا انداز پھر بھی پہلے جیسا نارمل ہی تھا۔ ریان کو اس میں کوئی غیر معمولی بات محسوس نہ ہوئی بلسوائے اس کی بے چینی اور اضطراب کے۔

"تمہیں بھی جب مجھ سے کوئی کام ہوتا ہے تب ہی میرا انتظار کرتی ہو۔"

"ظاہر ہے اور کیا شوقیہ انتظار فرماتی رہوں۔"

"کیا حرج ہے۔ آہستہ آہستہ ایسی بے ضرر سی عادتیں ڈال ہی لو تو بہتر ہے۔" اس نے چھیڑا مگر اس کے چہرے پہ کوئی ردِ عمل نہ پا کر اسے اندازہ ہوا کہ وہ اب تک اپنے اور اس کے رشتے کی بات سے بے خبر ہے۔"

"آپ کچن میں تشریف لے کر جائیں گی یا مجھے بھی یہی ناخن کھانے کو ملیں گے۔"

"میں اس قدر پریشان ہوں اور تمہیں پیٹ کی سوجھ رہی ہے۔" وہ خفا ہو گئی۔ "میرا خیال تھا کہ تم لاکھ برے سہی مگر مصیبت میں ضرور اچھے دوست ثابت ہو گے۔"

"کیا مصیبت آن پڑی۔ ارے۔۔۔ کہیں پیپر کے دوران بوٹی تو نہیں پکڑی گئی تمہاری۔"

"میں خود بری طرح پکڑی گئی ہوں بلکہ جکڑی گئی ہوں۔" وہ [illegible] کے قریب [illegible]۔ ریان سنجیدہ [illegible] کیا۔ پوری بات بتاؤ، مجھے کیا ہوا ہے؟ کہیں [illegible] تمہارے بھائی کی "سرتاجنی" نے کوئی زبانی میزائل تو نہیں دے مارا؟" شام کو وہ ماریہ کے تیور دیکھ چکا تھا جبھی اس لیے اندازہ لگایا کہ ضرور اسی نے کوئی گل کھلایا ہو گا۔ وہ اچھے بھلے ضبط کا مظاہرہ کرنے کے باوجود اس کی باتوں سے ہونے والی کوفت بھلا نہ پا رہا تھا [illegible] پھر بے حد حساس تھی۔ اس کا اندیشہ قریب قریب درست تھا۔ اروما نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ضرور اس بات کی تکلیف ہو رہی ہو گی کہ فیصل بھائی [illegible] لے گئے۔ مجھے پہلے ہی پتا تھا یہی بات ہو گی۔ تمہارے جانے کے بعد مرچیں چباتی پھر رہی تھیں۔ محترمہ! تمہیں ڈرنے یا گھبرانے کی کیا ضرورت ہے، اکڑ جانا تھا کہ میرا بھائی ہے میں جہاں مرضی جاؤں اس کے ساتھ۔ آخر فیصل بھائی پر تمہارا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا ان کی سرتاجنی کا۔"

"نہیں یہ بات نہیں بلکہ بھیا کو تو خود انہوں نے کہا تھا کہ وہ مجھے آؤٹنگ پہ لے جائیں۔"

"ہیں۔۔۔؟ انقلاب! ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں۔" وہ گنگنایا تو وہ چونک کے دیکھنے لگی۔

"یہ شراب بیچ میں کہاں سے ٹپک پڑی۔"

"بالکل وہاں سے۔ جہاں سے تمہاری بھابھی محترمہ میری زندگی کے اتنے اچھے اور یادگار دن کا بیڑہ غرق کرنے اپنی تمام تر بدمزگیوں کے ساتھ ٹپک پڑیں۔" اس کی بات سن کر اروما کا چہرہ لٹک گیا، وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ٹھیک ہے، تم اس یادگار دن کے مزے لوٹو، میرے مسئلوں سے تمہارا کیا تعلق۔"

"احمق ہیں آپ۔" ریان نے کھینچ کے اسے صوفے پر گرایا، اب وہ اسے کیا بتاتا کہ وہ بذاتِ خود اس کے لیے ایک خوبصورت سا مسئلہ ہے جسے وہ تمام عمر زحمت سے حل کرنے کی خواہش رکھتا ہے، اور یہ دن یادگار بھی تب ہی بنتا جب وہ اپنے اظہار کے بعد اس کے گلگوں چہرے سے اقرار کے رنگ سمیٹتا لیکن اس کے لیے ضروری تھا کہ پہلے اس مسئلے سے نمٹا جائے جس نے اروما کا موڈ منتشر کیا ہوا تھا۔ "چلو اب ساری بات الف سے ے تک بتاؤ۔"

"پہلے میں تمہارے لیے کھانا لے آؤں۔ تمہیں بھوک [illegible] ہو گی۔" [illegible] خود بری طرح بے چین تھی [illegible] اپنی الجھن [illegible] کرنے کے لیے، اس کا خیال رکھنے سے خود کو روک [illegible] مسکراتا ہوا اس کے پیچھے پیچھے ہی کچن تک چلا گیا۔

"بریانی پکاؤں؟" اروما نے سبزی پلاؤ مائیکروویو میں رکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔" وہ اسے اب کسی اور کام میں وقت ضائع کرتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس کے چہرے پہ تذبذب اور الجھاؤ کے تاثرات اتنے نمایاں تھے کہ اب وہ بھی اصل بات جاننے کو بے تاب ہو گیا تھا۔ وہ صبر سے اسے کچن میں ہی رکھی مختصر سی ٹیبل پہ سلاد، رائتہ اور ٹھنڈے پانی کا جگ رکھتے ہوئے دیکھنے لگا۔ چاولوں کے بعد اس نے کوفتے کا ڈونگہ بھی مائیکروویو میں رکھا اور دو منٹ بعد دونوں چیزیں ٹیبل پہ اس کے سامنے رکھ کے خود رخ موڑ کے اسٹول پہ جانے کے لیے رکھے پانی پہ نظریں جما کے کہنے لگی۔

"پتا ہے ریان! ابھی کچھ دیر قبل بھائی نے ایک بڑی عجیب سی بات کہی۔"

"وہ جتنی بھی عجیب بات کریں کم ہے۔"

"تم پلیز چپ رہ کے میری بات سنو۔" اس نے جھنجلا کر کہا تو وہ تابعداری سے سر ہلاتے ہوئے کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"بھائی نے بتایا ہے کہ پھوپھی جی نے معظم کا رشتہ، میرے لیے۔۔۔" اس نے اٹک اٹک کر بتایا اور ریان کا چاولوں سے بھرا چمچہ منہ کے اندر ہی دبا رہ گیا۔ اس نے اروما کی پشت پہ کھوجنے والی نظریں گاڑیں۔ آہستہ سے منہ سے چمچہ نکال کر پلیٹ میں رکھتے ہوئے وہ اس کے اگلے فقرے کا منتظر تھا۔

"اور یہ کہ بھیا تقریباً" راضی ہیں۔ بھائی مجھے کنونس کرنے کی کوشش کر رہی تھیں کہ میں بھی۔۔۔ پتا نہیں وہ بھیا کے کہنے پہ میری مرضی جاننے آئی تھیں یا زبردستی اپنی مرضی مجھ پہ تھوپنے، میں کچھ سمجھ نہیں پائی۔ یہ تو طے ہے کہ بھیا میری رضامندی کے بغیر اتنا بڑا قدم نہیں اٹھا سکتے۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کل میں بھائی کو کیا جواب دوں۔ انہوں نے مجھے سوچنے کے لیے کل تک کا وقت دیا ہے۔" وہ ابھی تک رخ موڑے کھڑی تھی، شاید بہت مشکل سے وہ خود کو ریان سے اس بارے میں بات کرنے پہ آمادہ کر پائی تھی۔ یہ اس کی جھجک سے ظاہر تھا۔

اس نے بمشکل منہ میں رکھے لقمے کو نگلنے کی کوشش کی۔ ٹھنڈے پانی کا گلاس خالی کر کے اس نے ٹیبل پہ رکھا اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"کیا تمہیں کچھ بھی سوچنے کی ضرورت ہے۔؟"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ اروما کہ۔۔۔ دل کے فیصلے سوچ سمجھ کے نہیں کیے جاتے۔ ان کا جواب حتمی ہوتا ہے اور دو ٹوک ہوتا ہے۔ تمہارا دل کیا کہتا ہے۔"

"مجھے وہ 'معظم کا بچہ زہر لگتا ہے' نیلا تھوتھا لگتا ہے۔ فینائل، چوہے مار گولی، مٹی کا تیل، ڈیزل۔۔۔ تقریباً" ہر زہریلی چیز سے بھی زیادہ برا لگتا

ہے۔" وہ چبا چبا کے بولی تو ریان ہلکا پھلکا ہو گیا۔

"پھر تو فیصلہ بے حد آسان ہے۔ تمہاری الجھن بے معنی ہے۔ کل جب وہ تمہارا جواب سننے آئیں تو یہی زریں خیالات ان کے سامنے دہرا دینا۔"

"یہی تو مشکل ہے۔" وہ اس کے سامنے والی چیئر پہ آ بیٹھی۔ "معظم بھابھی کا بھائی ہے۔ اکلوتا ... تیز ... بھائیوں کا "چمن جیسا ویر" وہ اس کے لیے میرا انکار برداشت نہیں کر سکیں گی۔ اب ظاہر ہے میں یہ سارے زریں خیالات ان کے سامنے تو کہہ نہیں سکتی۔ وہ میرے انکار کی وجہ پوچھیں گی تو کیا کہوں گی کہ آپ کا بھائی مجھ سے دس میل کے فاصلے پہ کھڑا ہو تو اس کے گندے کریکٹر کی بدبو کے بھبکے میرا جی متلا دیتے ہیں۔ میری طرف مسکرا کر دیکھے تو میرا دل کرتا ہے اس کی ... مسکراہٹ کو ڈھائی انچ کی نوکدار ... سے چھیل کے رکھ دوں۔ وہ جب راجیش ... آنکھیں مٹکاتا ہے ... چاہتا ... اس کے ... سینک دوں۔ اس کی باتیں ... بال نوچنے کی کسر رہ جاتی ہے اور اس کی ... اسٹائل ڈریسنگ سے متاثر ہو کے میرا جی چاہتا ہے اس کی وارڈ روب کو آگ لگا دوں۔ اور ..."

وہ جوش سے بولتے بولتے ڈھیلی پڑ گئی۔

"تم بتاؤ کیا یہ سب میں انہیں بتا سکتی ہوں؟ نہیں نال...؟ وہ بھائی ... زریں ... بھی میری جان نہیں بخشنے والی۔ میرے خالی خولی انکار کو کسی خاطر میں نہ لاتے ہوئے انہوں نے اپنے بھائی کی نام نہاد تعریفوں کے پل باندھنے شروع کر دینے ہیں۔ وہ میری زبان سے "ہاں" کہلوانے کی ہر ممکن کوشش کریں گی۔"

"ایسا تو ہو نہیں سکتا کہ فیصل بھائی کے پیٹ میں اتنی بڑی بات رہ گئی ہو۔ ایسی بات کا ذکر انہوں نے اپنی سرتاجنی سے ضرور کیا ہو گا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ انہوں نے تم سے یہ ادھورا قصہ بیان کیا۔ کہیں آدھی بات بتانا اور آدھی بات چھپانا ان کی کوئی چال تو نہیں۔" وہ پرسوچ انداز میں کہہ رہا تھا اور اروما پھٹی سمجھنے کے انداز میں اسے دیکھ رہی تھی۔

"بات یہ ہے اروما کہ ماریہ بھابی نے اپنے شوہر نامدار کے کہنے پہ آپ کی رضامندی جاننے کا فریضہ ضرور انجام دیا ہے مگر تھوڑی سی ڈنڈی ماردی ہے بلکہ اچھا خاصا ڈنڈا رسید کر دیا ہے' وہ اگر پوری بات تمہارے سامنے رکھتیں تو شاید تمہیں فیصلہ کرنے میں بھی آسانی ہوتی اور انہیں سنانے میں بھی۔"

"کیا مطلب؟ کیا کچھ اور بھی ہے سننے کو۔ یہ اکیلا معظم کافی نہیں تھا میرے ننھے سے دل پہ بجلی گرانے کے لیے۔"

"تمہیں پتا ہے۔" وہ کہنیاں میز پہ ٹکا کے ذرا سا آگے جھکتے ہوئے سرگوشی میں کہنے لگا۔

"معظم کے علاوہ تمہارے بھیا کے پاس ایک اور فائل بھی پہنچی ہے۔ اور یہ فائل کسی اور نے نہیں تمہاری اپنی خالہ جان نے پیش کی ہے۔"

"یعنی کہ...؟" اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ ریان کو مسلسل خود کو گھورتے پا کے وہ چہرہ موڑنے لگی۔

"اور اس کیس میں تم پہ زبردستی بھی کوئی نہیں، تم ہر طرح کے زہریلے' بھڑکیلے' چمکیلے خیالات کا اظہار کر سکتی ہو۔" وہ لب دبا کے مسکراہٹ چھپانے لگی۔

"لیکن اس سے پہلے کہ تم میرے متعلق کسی رائے کا اظہار کرو' میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔" اس ... دل کا حال اس پہ واضح کرنے کا ارادہ کر لیا۔ وہ اس پہ یہ روشن کرنا چاہتا تھا کہ وہ صرف اپنی خالہ جان ہی کی نہیں بلکہ ان کے لاڈلے سپوت کی بھی خوشی اور پسند ہے۔

"پانی کب سے کھول رہا ہے۔" وہ اچانک اٹھی اور ریان نے جھنجلا کر حسب عادت اس کا ہاتھ تھام کے کھینچا۔

"مرو ادھر... میں اتنی ضروری بات کرنے جا رہا ہوں اور محترمہ کے نخرے..."

"اوہو تو آدھی رات کو چھپ چھپ کے یہ آنکھ مچولی کھیلی جا رہی ہے۔" ماریہ کی آواز پہ ریان نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ رانی کا فیڈر ہاتھ میں لیے وہ کچن

کے دروازے پہ کھڑی پُراسرار طریقے سے مسکرا رہی تھی۔ ریان کے ہاتھ میں اب تک اروما کا ہاتھ دبا ہوا تھا اور ایک جھٹکے کے ساتھ پیچھے ہونے کی وجہ سے وہ میز سے جا لگی۔ جھجکی ہوئی تھی جس وقت انہوں نے اپنی انٹری دی۔

"سوری بھئی! میں تو بچی کے لیے دودھ گرم کرنے آئی تھی۔ مجھے کیا پتا تھا یہاں یہ مصروفیت ہے ورنہ خراب [illegible] ہوتی ہی ہوں ویسے دودھ گرم کرلوں؟" اس کے بن بن کے بولنے پہ ریان کھول کے رہ گیا۔ البتہ اروما ویسے ہی [illegible] سے تنے گئی۔

"مصروفیت کیسی بھابی! بس یہ کھانا ہی گرم کرنا تھا' کرلیا۔ آپ بھی گرم کرلیجیے دودھ۔" اس کے لیے مارے کا چھنکارتا لہجہ اور نوکیلی نگاہیں معمول کی بات تھی اور بے ہودہ نوکیلے الفاظ تو اس نے ان کے معنی تلاشنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی۔ ایسی باتیں آخر اس کے سر سے گزر جاتی تھیں۔

"اروما! تم جاؤ۔" ریان نے اسے واپس بھیجنا چاہا کہ کہیں اس کی باتوں سے شہ پاکے ماریہ بھڑک اٹھے اور نہ کھل جائیں۔

"ہاں بھئی اروما! اب تم جاؤ' اب میں جو آگئی ہوں۔" آپ نے دل جلانے والی مسکراہٹ بھی ڈھٹائی سے قائم رکھی اور بے رحم طنز بھی جاری رکھے۔ "بس میں یہ برتن سنک میں رکھ..."

"تم نے سنا نہیں اروما' میں نے کیا کہا ہے۔ میں سنبھال لوں گا یہ برتن' تم خدا کے لیے اپنے کمرے میں جاؤ۔" وہ دھاڑا تو اروما حیرت سے باری باری دونوں کو دیکھتی کچن سے نکل گئی۔ ایک کا چہرہ غصے اور ضبط سے سرخ ہو رہا تھا تو دوسرا چہرہ نفرت اور حسد کی تپش سے سیاہ پڑ رہا تھا۔

"تم نے فضول میں بے چاری کو ڈانٹ کے بھیج دیا۔ دو منٹ کا کام ہے میرا۔ میں تو جا ہی رہی تھی۔" اس نے فیڈر رکھتے ہوئے ہمدردی جتائی۔ "تم لوگ سکون سے بیٹھے رہتے' ہاں کچھ دیر اور..."

"وہ میرے لیے کھانا گرم کرنے آئی تھی اور گرم کرکے جا ہی رہی تھی۔" اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی وضاحت پیش کی حالانکہ وہ اسے صفائیاں دینے کا پابند نہیں تھا مگر ڈر تھا کہ کہیں اس خاموشی کو وہ غلط معنی نہ پہنا دے۔

"یہ بچوں والے بہلاوے کسی اور کو دینا میاں! میں اتنی ناسمجھ بھی نہیں جو آدھی رات کو گھر کے اس ویران کونے میں چھپ کر اکیلے ملنے والے جوان لڑکی اور لڑکے کی نیت بھی نہ سمجھ سکوں۔"

"بس کیجیے' سوچ سمجھ کے الفاظ استعمال کیجیے۔" وہ نیچی آواز میں مگر سخت لہجے میں بولا۔ "میں اس سے زیادہ ضبط کا مظاہرہ نہیں کروں گا' اس لیے بہتر ہوگا کہ آپ اپنی اس واہیات سوچ کو لگام دیں۔"

"واہیات میری سوچ نہیں' بلکہ اس گھر کا ماحول ہے۔ تمہاری ماں کی تربیت ہے' غضب خدا کا۔ اس وقت تو فیصل گھر میں موجود ہے' اروما کا بڑا بھائی' اس کے باوجود تم دونوں کی دیدہ دلیری کا یہ عالم ہے' عام دنوں میں تو خالہ یوں سرِشام ہی کمرے میں بند ہو کے تم دونوں کو خوب کھل کھیلنے کا موقع دیتی ہوں گی۔ سب جانتی ہوں' اروما تو بچی ہے' ناسمجھ اور معصوم ہے' تم نے ہی چکنی چپڑی باتیں کرکے اسے بس میں کرلیا ہوگا۔ خالہ کہاں چاہتی ہیں کہ اروما کی جائیداد ان کے ہاتھ سے نکلے اور کچھ نہ سوجھا تو اپنے بیٹے کو پٹی پڑھا کے بچی کے پیچھے لگا دیا۔"

"خدا کا واسطہ ہے بھابھی! یہ بے بنیاد الزام تراشیاں بند کریں۔ یہ آپ بھی اچھی طرح جانتی ہیں کہ میرے اور اروما کے درمیان ایسا کچھ نہیں اور نہ ہی اس گھر کے ماحول میں ہم لوگ کوئی تعفن پھیلا سکتے ہیں۔ اس کے باوجود صرف اپنے ذاتی مقاصد کے لیے آپ ایک بے قصور لڑکی کو داغ دار کر رہی ہیں۔"

"اسے کہتے ہیں چوری اور سینہ زوری' وہ میرے شوہر کی بہن ہے' میرے گھر کی عزت' اور میں اسے اپنے بھائی کے حوالے سے اور بھی اہمیت دینا چاہتی ہوں۔ اپنے ذاتی مقاصد کے لیے تو تمہاری ماں اسے استعمال کر رہی ہے' انہیں تو اتنا خوفِ خدا نہیں رہا کہ مرنے کے بعد اپنی بہن کو کیا منہ دکھائیں گی۔"

"شرم آنی چاہیے آپ کو اس بہتان طرازی سے۔ [illegible]وہ میرے لیے مقدس اور محترم ہے۔ میں اس کے [illegible] میں کوئی غلط سوچ دل میں لا بھی نہیں سکتا۔ اس کی جائیداد سے نہ مجھے دلچسپی ہے نہ میرے والدین کو کوئی واسطہ ہے۔ خبردار جو آپ نے دوبارہ ایسی بات کی۔"

"تو پھر کیوں اسے گھیرنے کی کوشش کی جا رہی ہے' کوئی تو وجہ ہے جو اروما معظم کے لیے انکار کر رہی ہے' تم نے کوئی امیدیں دلا رکھی ہوں گی جن کی آس میں وہ اتنا اچھا رشتہ ٹھکرا رہی ہے۔"

"غلط فہمی ہے آپ کی۔ مجھے اروما سے کوئی دلچسپی نہیں' کم از کم اس قسم کی تو نہیں۔ جیسی آپ سوچ رہی ہیں۔" وہ شدید اشتعال کے عالم میں اپنے ہی دل کی نفی کرگیا۔

"ہونہہ! قید کرکے رکھا ہوا ہے معصوم بچی کو۔ [illegible] تو یہی ہے کہ ہاتھ سے نکلنے نہ پائے۔"

"آپ کو یقین دلانے کی کوشش کرنا فضول ہے۔" وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا کمرے سے نکل گیا۔

"اروما سنو" دوسرے ہی پل وہ اس کے دروازے پہ دستک دے رہا تھا۔

"کیا ہوا؟" وہ آنکھیں مسلتی دروازے پہ آئی۔ اس [illegible] کا یہ حال تھا کہ بستر پہ آتے ہی وہ سو گئی تھی۔ اپنی بھابی کی [illegible] تو دور کی بات' وہ تو سرے سے ان کے [illegible] کو جان بھی [illegible] معصومیت سے ہی خائف ہو کے ریان نے ماریہ کے حس کے سامنے آنے سے پیشتر اسے منظر سے غائب کردیا تھا۔ وہ شاید اتنے تلخ اور جان لیوا الزامات سہار نہ پاتی۔ "اور اگر میں نے ابھی اسی وقت یہ قدم نہ اٹھایا تو یہ سنگریزے مسلسل برستے رہیں گے اور میں کب تک اسے بچاتا رہوں گا۔" اس نے گھڑی بھر میں فیصلہ کرلیا تھا۔

"وہ بات تو رہ ہی گئی اروما! جو میں تم سے کرنا چاہتا تھا۔" وہ ایک قدم آگے بڑھائے بغیر وہیں جما رہا۔

"اروما! کیا تم مجھے دوست سمجھتی ہو؟ کیا تمہارے دل میں میرے لیے ذرا سی بھی گنجائش ہے؟"

"ریان...!" وہ اسے دیکھ کے رہ گئی۔

"اگر ہاں... تو ایک احسان کرو مجھ پہ... تم کل اپنے بھائی کو "ہاں" کہہ دو۔"

"کیا؟" اس کی آنکھیں ایک بار پوری کھلیں پھر جھک کے رہ گئیں' وہ بے یقینی کے عالم میں اپنا جھکا ہوا سر نفی میں ہلا رہی تھی۔

"ہاں اروما! اگر تم میرے ساتھ' اپنی خالہ' اپنے خالو اور خود اپنے ساتھ کوئی بھلائی کرنا چاہتی ہو تو تمہیں معظم کے لیے ہاں کہنا ہوگی۔ یہ تمہارا بہت بڑا احسان ہوگا ہم سب پر اور اگر یہ کرنا تمہیں بہت مشکل لگے تب بھی اتنا تو تم کرسکتی ہو کہ مجھ سے شادی کرنے سے انکار کردینا۔"

اروما کی جھکی پلکیں سختی سے ایک دوسرے میں پیوست ہوگئیں۔

"چاہے تم معظم کے لیے ہامی بھرو یا نہ بھرو' دنیا کے کسی بھی شخص کے لیے رضامند ہوجانا مگر ریان شفیق کو بخش دو' وہ اتنا بار اٹھانے کا متحمل نہیں۔ بتاؤ اروما... کیا تم یہ کرسکتی ہو؟" اس نے منت کی۔ اروما نے اپنا جھکا ہوا سر اٹھایا۔ اس کی پلکوں کے کنارے دمک رہے تھے۔ دھیرے دھیرے اس کے ہونٹ حرکت میں آئے۔ ریان اس کی سوالیہ نظروں کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا' اس لیے اب کی بار وہ نظریں چرا گیا۔

"تمہیں یوں گڑگڑانے کی ضرورت نہیں ریان! میں نہیں جانتی کہ میرا وجود کس طرح تمہارے لیے اتنا ناقابلِ برداشت ہوگیا ہے لیکن پھر بھی... میں وجہ جانے بغیر تمہیں اس تکلیف دہ بوجھ سے آزاد کرتی ہوں۔ میں تمہارے لیے صاف انکار کردوں گی چاہے خالہ جان کو کتنا ہی دکھ کیوں نہ پہنچے۔ چاہے... اور اگر میرے انکار کے بعد بھی کسی نے مجھ پہ دباؤ ڈالنا چاہا تو میں صرف اور صرف تمہیں خود سے محفوظ رکھنے کے لیے معظم کا سہارا لے لینا بھی گوارا کرلوں گی۔ بس یا کچھ اور؟"

"نہیں..." اس نے کچھ کہنے کے لیے سامنے دیکھا اور بت بن کے رہ گیا۔ وہ تو کسی سوال کا سامنا نہ

رنے کی غرض سے نظریں چرائے کھڑا تھا۔ جب کہ ان دو آنکھوں میں ایک پوری حکایت درج تھی۔ کھلے کرتی وہ سرخ ڈوروں والی آنکھیں اورما کے دل کا سارا حال سنا رہی تھیں۔ وہ لڑکھڑا کے رہ گیا۔

"بچیاں ابھی بھی ہے۔"

* * *

"آج آفس سے جلدی آجانا۔ فیصل شام کو اورما کے ساتھ یہاں پہنچنے والا ہے۔" ناہید نے ناشتہ اس کے سامنے رکھتے ہوئے یاد دہانی کرائی۔

"جلدی تو ہمیشہ آتا ہوں یا دیر سے۔۔ آنا تو گھر ہی ہے۔" وہ ہارے ہوئے انداز میں ہنسنے لگا۔ جتنا اس نے اورما کا سامنا کرنے سے بچنے کی کوشش کی تھی' اتنا ہی خود کو بے بس پایا تھا اور اب تو وہ یہاں آرہی تھی۔ پھر سے۔۔ ایک نامعلوم مدت کے لیے' وہ کب تک اس سے کترا پائے گا۔

"میں سوچ رہی ہوں' تمہاری چچی کو بھی منع کردوں کہ کل کا پروگرام فی الحال رہنے دیتے ہیں۔"

"کل کا کیسا پروگرام؟" وہ پھر بھی چونکا تھا۔

"وہ تمہارے لیے کوئی لڑکی دکھانا چاہتی ہیں مجھے' میں نے تم سے ذکر تو کیا تھا' سوچ رہی ہوں اب جب کہ اورما آرہی ہے' ایسے حالات میں یہ سلسلہ شروع کرنا عجیب سا لگتا ہے' کچھ روز کے لیے ملتوی کر دیتی ہوں۔" انہوں نے اس کی رائے جاننے کے لیے اسے دیکھنا چاہا مگر وہ کسی اور ہی عالم میں تھا۔

"خدا کا واسطہ ہے اورما! اپنی ٹیڑھی میڑھی سہیلیاں مت تجویز کرنا میرے لیے۔" بہت پہلے جب ایک بار ناہید نے ریان کی شادی کی اپنی دیرینہ خواہش کا اظہار کیا تھا تو وہ پرجوش ہو کے اپنی کلاس فیلوز کے نام گنوانے لگی تھی اور وہ بلبلا اٹھا تھا۔

"مجھے ایسی فلاپ آئٹم نہیں بلکہ ایک سپرہٹ بیوی چاہیے' سپر ڈپر ہٹ۔"

"یہ سپرہٹ بیوی کیسی ہوتی ہے؟"

"سپرہٹ بیوی وہ ہوتی ہے جس کے ساتھ انسان کامیابی سے سلور جوبلی یا گولڈن جوبلی منا سکے۔ جس کے ساتھ ہر دن پہلے سے بڑھ کے دلکش اور سہانا لگے اور جس کے سنگ وقت بتاتے ہوئے۔۔۔" وہ کہتے کہتے رک کے اسے دیکھنے لگا۔ جو بڑے اشتیاق سے اسے سن رہی تھی۔ خالہ کے سر میں تیل کا مساج کرتے ہوئے ہاتھ ساکت ہو چکے تھے۔ تب اس نے پہلی بار اس کے بارے میں دوسری طرح سے سوچا اور حیران رہ گیا۔۔ وہ تو بالکل ویسی ہی تھی' وہی تھی جس کی اس کے دل کو تمنا تھی۔

"کہاں کھو گئے؟" اس روز بھی امی کی آواز پہ وہ ہڑبڑا کے یونہی چونکا تھا جیسا اس وقت۔

"کچھ نہیں ماما۔۔ میں کوشش کروں گا جلد گھر لوٹنے کی۔"

* * *

آفس ٹائم کب کا ختم ہو چکا تھا۔ وہ شکستہ سے انداز میں چیئر کی بیک سے ٹیک لگائے کب سے چھت کو گھور رہا تھا' یہاں سے اٹھ کر گھر تک جانے کی اس کی ہمت نہ ہو رہی تھی۔ وہ کیسے اس کا سامنا کرتا' جسے اس نے خود تاریکی کے حوالے کیا تھا۔ جس کو اس نے دوستی کے واسطے دے کر تباہی کی طرف دھکیلا تھا۔

اسے یہ فیصلہ کرنا تب وقت کی ضرورت اور حالات کا تقاضا لگا تھا' اس کا خیال تھا کہ ماریہ بھابھی کے بے بنیاد الزامات کا سدباب کرنے [illegible] یہی ایک راستہ ہے کہ اورما اپنی رضامندی سے معظم کے حق میں رائے دے دے' اس نے سوچا تھا اگر اورما اس کے لیے ہامی بھر لے گی تو ان کے شک کو یقین میں بدلنے میں دیر نہ لگے گی اور وہ احساس شکست سے مغلوب ہو کر چیخ چیخ کر سارے جہاں میں ان کے مقدس اور صاف رشتے کو داغ دار ٹھہرا دیں گی۔ اسے اپنے پاکیزہ جذبوں کی رسوائی منظور نہ تھی اور نہ ہی وہ اپنے ماں باپ کے عمر بھر کے بے لوث خلوص کو مٹی میں ملانا چاہتا تھا۔ ماریہ بھابی کو مطمئن کرنے کے لیے ایک ہی حربہ کافی تھا کہ اورما ان کی حسب منشا ان کے بھائی کا رشتہ قبول کرلے اور اس نے اس سے بس اتنا ہی تو مانگا تھا۔

"مجھ پہ احسان کرو اورما! اگر تم میرے ساتھ' اپنی خالہ' اپنے خالو اور خود اپنے ساتھ کوئی بھلائی کرنا چاہتی ہو تو تمہیں معظم کے لیے ہاں کہنا ہوگی۔"

اور وہ مان گئی تھی۔ حالانکہ اگر وہ انکار کر دیتی اس کی بات ماننے سے تو وہ بھلا کیا بگاڑ لیتا۔۔ لیکن وہ مان گئی' ایک سوال بھی کیے بغیر' ایک لفظ شکوے کا ادا کیے بغیر۔ اور جب ریان پہ یہ منکشف ہوا کہ وہ کیوں مانی تھی تو۔۔ تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ وہ چپ رہی تھی مگر اس کی نگاہیں بتا رہی تھیں۔

"یہ تو کچھ بھی نہیں ریان! تم جو مانگتے میں دے دیتی۔ تم جو کہتے میں کرجاتی کیونکہ۔۔۔ میں تمہارا کہا نہیں ٹال سکتی۔ تمہارا سوال نہیں لوٹا سکتی۔۔ لیکن آخر کیوں؟ کیوں تم نے صرف جدائی مانگی۔۔۔"

اس کی نگاہیں پل بھر میں سارے راز کھول کر پھر سے جھک گئی تھیں پھر کبھی کوئی سوال نہ کرنے کے لیے۔۔ لیکن اسے عمر بھر کے پچھتاوے میں مبتلا کر گئیں۔ وہ پچھلے دو سال [illegible] سے ان نگاہوں میں جکڑا ہوا تھا۔ اسے اپنا فیصلہ سنا کر آنے کے بعد وہ گھنٹوں کمرے میں ٹہلتا رہا تھا۔ بار بار دروازے تک جاتا۔۔ پھر لوٹ آتا۔

"نہیں۔۔ زندگی میں کچھ معاملات محبت سے بڑھ [illegible] تے ہیں۔ میرا راز دار بھی سمجھا کہ نہیں' اورما کے انکار کے باوجود فیصل بھائی پہ زیادہ زور نہ ڈالنا شروع کر دیں۔ ساری عمر امی نے اورما کو سگی اولاد سے بڑھ کر جانا۔ اپنی بہن کی امانت جان کے پوری دیانت داری سے اس کی پرورش کی۔۔ اور۔۔ بدلے میں انہیں یہ سننے کو ملے کہ صرف ایک معمولی سی جائیداد کی خاطر انہوں نے بیٹے کے ذریعے بھانجی کو ٹریپ کرنے کی کوشش کی۔ نہیں۔۔ کبھی نہیں۔۔" اس نے سختی سے دل کو سمجھایا جو اورما کے خاموش اقرار کے بعد مچل مچل جا رہا تھا۔

اس نے تب بھی لب سیے رکھے جب فیصل بھائی نے اورما کے فیصلے سے خالہ کو آگاہ کیا۔ وہ تب بھی نہ بولا جب امی جان ساری رات روتی رہیں۔ اس نے تو تب بھی خود کو سنبھالے رکھا جب ابو جی نے اورما کو اس گھر سے رخصت کرنے کا ارادہ لیا اور خود بھی صبح اس کی شادی کی تیاریوں میں اسے حصہ لینا پڑا۔ اس نے خود کو ملامت اس وقت بھی نہ کی جب اورما اس کی نظروں کے سامنے کسی اور کی ہو کے رخصت ہو گئی۔

ہاں مگر۔۔ مگر۔۔ تب۔۔ تب ضرور پہلی بار اسے اپنے جذباتی فیصلے پہ افسوس ہوا۔ جب اس کی شادی کے صرف چار ماہ بعد ہی اچانک ابو جی گزر گئے اور سارا زمانہ آیا' مگر ایک وہی نہ آئی۔ امی جان کو شریک حیات کی دائمی جدائی کا جتنا صدمہ تھا' اس کی بے مروتی کا بھی اتنا ہی ملال ہوا۔ وہ بھی حیران ہو گیا کہ پل میں ساری خفگی اور ناراضی بھلا دینے والی' وہ آئینہ سے دل والی لڑکی اتنی پتھر دل کیسے ہو گئی کہ باپ سی شفقت دینے والے خالو کے دکھ پہ بھی وہ ناراضی بھاری لگی اسے۔

تیسرے دن فیصل بھائی نے پرملال لہجے میں تسلیم کیا۔

"خالہ جان! اورما کے معاملے میں مجھ سے بڑی کوتاہی ہوئی۔ معظم کسی طرح اس کے لائق نہیں۔ وہ اس پہ شک کرتا ہے بلکہ مجھے خبر ملی ہے کہ وہ اس پہ ہاتھ تک اٹھاتا ہے۔"

"کیا؟ ابھی اس کی شادی کو دن ہی کتنے ہوئے ہیں اور تم مجھے یہ خبر سنا رہے ہو۔"

"یہ سچ ہے خالہ جان! اس کا رویہ شروع دن سے ہی اورما کے ساتھ مناسب نہیں' میں آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا' صرف اس لیے بتا رہا ہوں کہ آپ اس کے نہ آنے کا کچھ اور مطلب نہ لیں۔ معظم کو اس کے یہاں آنے پہ اعتراض ہے۔ میں نے سوچا' کہیں بعد میں کوئی بڑا فسانہ نہ بن جائے اس لیے اسے نہیں لایا ورنہ خالو کا سن کر وہ تو صدمے سے بے حال ہے۔"

"فیصل! تم نے تو میرے دل کو بے کل کر دیا ہے' وہ نامراد میری پھول سی بچی پہ ہاتھ اٹھاتا ہے۔ اس کے فرشتہ سیرت ہونے پہ شک کرتا ہے' مجھے تو یقین ہی نہیں آرہا۔ کتنی خواہش تھی میری کہ اسے ہمیشہ

ہمیشہ کے لیے اپنے پاس رکھ لوں لیکن جب اس نے ہی اپنا فیصلہ سنا دیا تو میں یا تم کیا کر سکتے تھے۔ لیکن مجھے کیا پتا تھا کہ ۔۔۔" وہ آنسو بہانے لگیں۔

"میں تو خود حیران رہ گیا خالہ جان جب اروما نے ریان سے، بجائے معظم کے لیے ہاں کہی۔ میرا خیال تھا کہ وہ آپ سے دور جانا پسند نہ کرے گی۔ میں نے علیحدگی میں اسے اعتماد میں لے کر پوچھا بھی تھا کہ کہیں وہ ماریہ کی کسی دھمکی یا دباؤ میں آکر تو فیصلہ نہیں کر رہی لیکن اس نے قسم کھا کے کہا کہ اس میں ماریہ کا کوئی ہاتھ نہیں۔"

"ہاں۔ وہ قسم کھا سکتی تھی۔ اس نے ماریہ کا ہاتھ دیکھا ہی کب تھا' وہ ہاتھ جس نے اس ڈور کا سرا تھام رکھا تھا۔" ریان نے مٹھیاں بھینچتے ہوئے سوچا۔ فیصل کی زبانی اروما کے حالات جان کے وہ سلگ اٹھا تھا۔

"کیا اس بدبخت کو تم کو اتنا بھی لحاظ نہیں کہ خود اس کی اپنی بہن تمہارے گھر ہے' اس کا حوصلہ کیسے پڑتا ہے تمہاری بہن کو مارنے کا۔" انہوں نے تعجب سے پوچھا تو وہ سر جھکا کے رہ گیا۔

"وہ عجیب بے حس انسان ہے۔ اگر میں انسانیت کے درجے سے نیچے اتر کے اس کی بہن کے ساتھ جوابی بدسلوکی کروں تب بھی اس پہ کوئی اثر نہیں ہونے والا۔ اسے کسی رشتے کا لحاظ نہیں۔"

"لیکن ماریہ کو بھی تو چاہیے کہ وہ بھائی کو عقل دے۔ اور تمہاری پھوپھی' کیا وہ بھی اروما کے ساتھ ہونے والی زیادتی خاموشی سے دیکھتی رہتی ہیں۔"

"میں نے آپ کو بتایا تو ہے کہ وہ خاصا بے حس اور بے مروت ہے' کسی کے کہنے میں نہیں۔"

"تو پہلے اس کی یہ خصوصیات تمہارے علم میں نہ تھیں۔"

"پہلے وہ صرف میرا سالا تھا' میرا رشتہ بڑا تھا۔ اس لیے وہ لحاظ کرنے پہ مجبور تھا یا پھر لحاظ کرنے کا ڈرامہ کر رہا تھا۔ اب اس کا میرا رشتہ برابر ہے۔ اس لیے اس نے اپنی اصلیت ظاہر کر دی ہے۔"

"لیکن ماریہ تو جانتی ہوگی اپنے بھائی کے کرتوت۔ اس کا اخلاقی فرض تھا کہ وہ تمہیں آگاہ کرتی۔" ناہید کے جتانے پہ ریان تلخ سی ہنسی ہنس کے رہ گیا۔

"جب اخلاق کا ہی جنازہ نکل چکا ہو تو اخلاقی فرض نبھانے کہاں یاد رہتے ہیں۔"

اس کے بعد جتنی بار بھی اسے اروما کے متعلق کوئی خبر سننے کو ملی' وہ پچھتاوے کی دلدل میں اور اندر تک دھنستا چلا گیا۔ وہ اس کی اس حالت کا ذمہ دار خود کو ٹھہراتا تھا۔

✡ ✡ ✡

پچھلے دو سالوں سے اس نے اروما کی ایک جھلک بھی نہ دیکھی تھی۔ لیکن پچھلے دو سالوں میں اس نے اس کا ایک ایک درد ضرور محسوس کیا۔ اس پہ ہونے والا ہر ستم اسے تڑپا جاتا۔ وہ سوچتا رہ جاتا کہ ذرا ذرا سی بات پہ گھبرا اٹھنے والی وہ کانچ سی لڑکی ایسے درندہ صفت انسان کی ہمراہی میں کیسے زندہ ہے۔ اور وہ کیسے زندہ رہی اور کس حد تک زندہ رہی۔ یہ تو اس پہ ایک نظر ڈالتے ہی محسوس ہو گیا۔

✡ ✡ ✡

ان کے ملنے جلنے کی سکت تو نہیں تھی اس میں لیکن جب تیسری بار ان کا فون آیا تو اسے اٹھنا ہی پڑا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے اس کی نگاہ امی کے کاندھے پہ سر رکھے بیٹھی اروما پہ گئی۔ چھوٹی موٹی سی تو وہ پہلے ہی تھی لیکن اب تو ہڈیوں کا ڈھانچہ ہو رہی تھی۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے مٹھی بھر ہڈیوں پہ کسی نے زرد رنگ کی خشک کھال منڈھ دی ہو۔ اس کی بے رونق' وحشت زدہ آنکھوں کے گرد گہرے سیاہ حلقے تھے اور پپڑیاں جمے لب جانے کب سے نہیں مسکرائے تھے۔ وہ اس کی حالت دیکھ کے لرز گیا۔

"اروما! یہ تم ہو۔۔۔ کیا حال بنا رکھا ہے اپنا؟" وہ بے ساختہ کہہ اٹھا اور کہتے ہی شرمسار سا ہو گیا۔ اگرچہ وہ کچھ نہیں بولی تھی صرف اپنی خالی خالی آنکھوں سے اسے دیکھ کے رہ گئی تھی لیکن ریان کو اپنے چاروں جانب ایک بازگشت گونجتی سنائی دی۔

"یہ حال تمہارا ہی کیا ہوا ہے ریان! تم نے عمر بھر کی دوستی کے بدلے یہی تو مانگا تھا۔"

"برباد کر کے رکھ دیا میری بچی کو۔" ناہید سسک اٹھیں۔ ان کی آنکھیں متورم تھیں جس سے اندازہ ہوا کہ اس کے آنے سے پہلے بھی وہ دیر تک روتی رہی تھیں۔ واقعی اروما کا یہ روپ تو خود اس کا دل چیر رہا تھا۔

"اللہ سب دیکھ رہا ہے۔ وہ سب سے بڑا منصف ہے ماریہ نے جانتے بوجھتے اپنے نشئی بھائی کے پلے اس یتیم بچی کو باندھا صرف اور صرف اس کا ترکہ ہڑپ کرنے کے لیے۔ یتیم کے مال پہ قبضہ کرنے والا تو ویسے بھی نہیں بخشا جاتا اور اس بدنصیب نے تو دوہرے عذاب مول لیے ہیں اس بے زبان لڑکی کی زندگی بھی خراب کی۔ میں تو اسے بددعا بھی نہیں دے سکتی کہ بہرحال وہ بھی اپنے ہی بچے کی طرح ہے۔"

"میں بھی بچوں کا سوچ کر خاموش ہو جاتا ہوں خالہ جان! ورنہ ماریہ کی یہ غلطی بلکہ گناہ کسی طور بخشنے کے لائق نہیں۔ جب مجھے پتا چلا کہ معظم نشہ کرتا ہے تو میں تو تب ہی ماریہ کو اس کے گھر چھوڑ آیا تھا لیکن خالہ جان! وہ بے غیرت لوگ ہیں۔ پیسے کے آگے انہیں کچھ نہیں سوجھتا۔ حق مہر کے نام پر وہ مجھ سے اتنا کچھ لکھوا چکے ہیں کہ میں اس عذاب سے چھٹکارا پانے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ میرے پاس اب رہا ہی کیا ہے۔ بزنس پہلے ہی ماریہ کے نام ہے۔ مل مقروض ہو چکی ہے۔ سب مل کر دونوں ہاتھوں سے مجھے لوٹتے رہے۔ اب مجھے پتا چلا ہے کہ ڈیڈی نے ان سے الگ ہونے کا فیصلہ کیا سوچ کر کیا تھا۔ سب کے سب لٹیرے ہیں۔ جو حال میرا کیا وہی چالیں اس کے ساتھ چلتے رہے۔ ایک سال کے اندر ہی اندر معظم نے اس سے سب کچھ اپنے نام کروا لیا اور یہ بے وقوف۔ اس نے مجھے بتایا تک نہیں۔"

"ارے سب کچھ لے لیتے مگر۔ اتنا ظلم تو نہ کرتے۔ پیسے کے لیے کوئی اتنا سفاک اور شقی القلب بھی ہو سکتا ہے۔ یقین نہیں آتا کہ یہ خون کے رشتوں کا حال ہے۔ اگر اپنوں کا یہ عالم ہے تو کوئی کسی غیر پہ کیا بھروسا کرے۔ میری بچی کی تو زندگی برباد کر کے رکھ دی۔"

وہ پھر سے رو پڑیں، آنسو تھے کہ تھمتے نہ تھے۔ ریان نے بھیگی پلکیں جھپک کے اس کے چہرے کو ٹٹولا۔ وہاں ایک بے تاثر سی خاموشی اب تک جامد و ساکت تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ وہاں ہوتے ہوئے بھی موجود نہیں یا پھر وہ لوگ اس کے متعلق نہیں کسی اور کے بارے میں بات کر رہے ہوں۔

"خالہ جان! اب آپ ہی اسے سنبھال سکتی ہیں۔ میں تو اسے اس حال میں دیکھ کر نہ جیتا ہوں نہ مرتا ہوں، یہ جتنی دیر میری آنکھوں کے سامنے رہتی ہے، مجھے خود پہ کوڑے پڑتے محسوس ہوتے ہیں۔" فیصل نے ناہید کے پیر تھام لیے۔ اس کی آواز کپکپا رہی تھی۔

"اور اب یہ جتنی دیر میرے سامنے رہے گی، یہ کوڑے میرے جسم پہ برستے رہیں گے۔" وہ مضطرب سا ہو کر کھڑا ہو گیا۔

"وہاں رہ کے یوں بھی اس کی حالت میں بہتری کا کوئی امکان نہیں تھا۔ سب لوگ وہی تو تھے۔ وہی ماریہ، پھوپھی جی اور وہی معظم۔ بس اس کی عدت ختم ہونے کا انتظار تھا مجھے۔ ورنہ میں نے کب کا سوچ رکھا تھا کہ اب اسے ماریہ کے سائے سے بھی محفوظ رکھنا ہے۔ خالہ جان! مجھے معاف کر دیں۔" وہ بدستور ان کے پیر تھامے گڑگڑا رہا۔ "میری بہن کو سنبھال لیں۔ اسے زندگی کی طرف دوبارہ لے آئیے۔ اسے پھر سے زندہ کر دیں خالہ جان۔"

"اروما مجھے اپنی جان سے بھی پیاری ہے فیصل، وہ کل بھی میری بچی تھی اور اب بھی میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ تم بے فکر ہو کے جاؤ۔ خدا کا شکر ادا کرو، اس عفریت سے جلدی چھٹکارا مل گیا۔ طلاق کا داغ سجا کر ہی سہی مگر یہ اس عقوبت خانے سے زندہ تو بچ نکلی۔"

"وہ خبیث تو طلاق دینے پر بھی تیار نہیں تھا۔ پہلے تو میں بھی انتہائی قدم کے بارے میں نہیں سوچنا چاہتا تھا لیکن اس روز جب میں اچانک اس سے ملنے گیا اور معظم کو نشے کی حالت میں اس پہ بری طرح تشدد کرتے دیکھا تو مجھ سے برداشت نہیں ہوا۔ میں اسے ادھ مری حالت میں وہاں سے اٹھا کے لایا تھا خالہ جان! تایا جان، چچا۔ سب کو چیخ چیخ کر اکٹھا کیا میں نے اور اپنی بہن کے لیے انصاف مانگا۔ سب خاموش تھے۔ حالانکہ یہ وہی لوگ تھے جو مجھے بہن کا رشتہ یہاں کرانے پر رضامند کرنے کے لیے بڑھ چڑھ کے بولتے تھے۔ معظم تو اس دن کے بعد روپوش ہو گیا۔ میں اس کا انتظار کر کے وقت نہیں گنوانا چاہتا تھا۔ اس لیے مجبوراً مجھے عدالت کا سہارا لینا پڑا۔"

"امی۔" اچانک ریان کی نگاہ اروما کے زرد پڑتے چہرے کی طرف گئی اور اس نے فوراً ناہید کو متوجہ کیا۔ ان کے ہاتھ پیر پھول گئے۔

"اروما۔ میری جان۔ کیا ہوا؟" وہ اس کے ٹھنڈے برف گال تھپتھپانے لگیں۔

"مجھے امی کے سامنے ان اذیت ناک لمحوں کو دہرانا نہیں چاہیے تھا۔" فیصل بھی پریشان سا اس کے قریب آ بیٹھا۔ اروما کے ہاتھ پیر بے جان سے ہو کر ڈھیلے ہوئے تھے، وہ بمشکل آنکھیں کھولے رکھنے کی کوشش کر رہی تھی اور اس کی گردن بار بار ایک جانب ڈھلک جاتی تھی۔ ناہید نے اس کے سفید سوکھے لبوں سے گلاس لگا رکھا تھا مگر پانی اس کے اندر جانے کے بجائے ٹھوڑی اور گردن سے ہوتا ہوا گریبان تک بہہ رہا تھا۔ ریان نے وحشت زدہ ہو کے پیچھے کی طرف قدم بڑھائے اور اچانک مڑ کے اپنے کمرے کی طرف تیز تیز قدموں سے چل پڑا۔ دروازہ اس نے ایک دھماکے سے بند کیا۔ لاک لگایا اور دیوار سے ٹیک لگا کر گہرے گہرے سانس لینے لگا وہ رونا نہیں چاہتا تھا مگر۔ آنسو روک نہیں پا رہا تھا۔ وہ سسکیاں دبانے کے لیے منہ کھول کر لمبے لمبے سانس بھر رہا تھا مگر آہیں اور سسکیاں اس کے سینے کے اندر شور مچا رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

آج اروما ناشتے کی ٹیبل پہ موجود تھی۔ وہ حیران ہوا مگر اظہار کیے بغیر چیئر گھسیٹ کے بیٹھ گیا۔ اسے آئے ہوئے ایک ہفتہ ہو گیا تھا اور اس نے شاید ہی اس کی آواز سنی ہو۔ اتنے دنوں میں پہلے دو تین روز تو کئی بار وہ اسی طرح غشی کی حالت میں چلی جاتی تھی مگر ناہید نے آہستہ آہستہ اس کا دھیان دوسری باتوں میں لگانا شروع کر دیا۔ اس کے بچپن کی شرارتیں، اس کی امی اور ڈیڈی کی باتیں، ادھر ادھر کے قصے۔ وہ دلچسپی سے سنتی رہتی، کبھی کبھی اس کے لبوں پہ ایک بھولی بھٹکی انجانی سی مسکراہٹ بھی آ جاتی۔

ریان نے اسے دن میں ایک بار حال پوچھنے کے علاوہ کبھی مخاطب نہ کیا تھا۔ اب بھی کچھ دیر لاتعلقی سے اخبار پڑھنے کے بعد اس نے پھر اسے دیکھا۔ وہ نظریں خالی گلاس پہ جمائے بے دھیانی میں ٹیبل کی سطح کو اپنے بے ڈھب بڑھے ناخنوں سے کرید رہی تھی۔

"آج بہت جلدی اٹھ گئیں تم۔" بالآخر اس نے اس تکلیف دہ سکوت کو توڑنے میں پہل کی۔ روز جب وہ آفس جاتا تو اروما سو رہی ہوتی۔ اس کی ذہنی حالت کے پیش نظر ڈاکٹرز نے اس کے لیے سکون آور ٹرینکولائزر تجویز کیے تھے اس لیے دن کا بیشتر حصہ بھی وہ سو کر گزارا کرتی۔ اور یہ ایک لحاظ سے اس کے لیے اچھا ہی تھا۔ کم از کم وہ جتنی دیر سوئی رہتی۔ ہوش و خرد سے بیگانہ تو رہتی تھی۔ ہوش میں آتے ہی وہ سب اذیت ناک یادیں اسے بری طرح جکڑ لیتی تھیں۔ اس وقت بھی وہ نجانے کس لمحے کی اذیت میں گرفتار تھی کہ اس کے ناخن ہیجان زدہ ہو کر ٹیبل کو کھرچ رہے تھے، لب سختی سے بھینچے ہوئے تھے اور آنکھیں وحشت زدہ ہو کر پھیلتی چلی جا رہی تھیں۔

ریان اس کی حالت سے ڈر کر اسے مخاطب کر بیٹھا۔ اس کے تنے ہوئے اعصاب میں ایسا ایک ارتعاش سا برپا ہوا۔ جیسے وہ خود کو اس کی پکار پہ بڑی دور سے گھسیٹ کے لائی ہو۔ بے تاثر آنکھوں سے وہ اسے دیکھنے لگی۔ ریان سمجھ گیا۔ اس کی آواز تو اس تک جا پہنچی تھی۔ مگر سوال شاید وہ سن نہیں پائی۔

"یہ لو اروما! تمہاری پسند کا چینی والا چوکور پراٹھا۔" ناہید نے پراٹھا اور ملائی اس کے سامنے رکھی اور ریان سے پوچھا۔

"تمہارے لیے بھی پراٹھا ڈال دوں۔"

"نہیں۔ بس چائے کے ساتھ چند بسکٹ اور ایک ہاف بوائل انڈا۔" اس نے کہہ کر اخبار پھر سے چہرے کے آگے تان لیا۔ اروما کو میکانکی انداز میں پراٹھے کے لقمے توڑ کے منہ تک لے جاتے دیکھ کر اسے بے ساختہ وہ وقت یاد آیا تھا جب اسے بلاناغہ پہلے اسکول اور پھر کالج جانے سے پہلے یہ مخصوص ناشتہ ڈٹ کے کرتے دیکھ کے وہ چڑا اٹھتا تھا۔

"اروما بی بی! ایک تو پراٹھا اوپر سے چینی سے بھرا ہوا اور سونے پہ سہاگا ملائی میں ڈبو ڈبو کے کھایا جارہا ہے۔ دیکھ لینا اروما! تم ایک دن پھٹنے کے قریب ہوجاؤ گی۔ ایک تو ہائیٹ گزارے لائق بھی نہیں اوپر سے چربی بھی چڑھ گئی تو بجائے دوشیزہ کے "شکیرہ" لگنے لگو گی۔" اور وہ لاپروائی سے ہاتھ ہلاتے ہوئے اپنا پسندیدہ ناشتا کرتی رہتی۔

اس نے پھر کن انکھیوں سے دیکھنا چاہا، وہ یوں پراٹھا کھا رہی تھی جیسے ناہید اسے سزا کے طور پہ اسے ختم کرنے کا حکم سنا گئی ہوں۔ پانچ منٹ بعد وہ چائے لے کر آئیں۔ اروما ناشتا کرچکی تھی۔ اس نے چائے کی ٹرے اپنی جانب کھسکائی اور پہلے ہی کی طرح چائے کپ میں ڈالنے لگی۔

ناہید نے استعجاب سے اسے دیکھا۔ آج کتنے دنوں کے بعد اس نے کوئی ایسی حرکت کی تھی جس سے اندازہ ہو کہ وہ بھی اپنے گردوپیش سے باخبر ہے ورنہ تو اس کے ہر انداز میں ایک لاتعلقی نمایاں تھی۔ ناہید کو اس کا یہ عمل اپنی بڑی کامیابی محسوس ہوا۔ اس کے ہاتھ سے کپ لیتے ہوئے انہوں نے بے ساختہ اسے دعائیں دیں۔ ریان کے آگے اس نے چائے اور شوگر پاٹ دونوں سرکا دیے۔ وہ ہمیشہ سے اپنے کپ میں خود چینی ڈالنے کا عادی تھا۔ ایک دانہ بھی کم یا زیادہ ہوتا تو وہ چائے چھوڑ دیتا۔ اپنے اور اس کے آگے رکھی خالی پلیٹیں اٹھا کے وہ کچن کی طرف چل پڑی تو ناہید اسے روکتے روکتے رہ گئیں۔

"ریان! میں دیکھ رہی ہوں کہ تم پہلے کی طرح اس سے ہنستے بولتے نہیں ہو؟" انہوں نے کب سے الجھا یہ سوال کر ہی دیا۔

"پہلے کی طرح۔" وہ تلخ سا مسکرایا۔ "اب پہلے جیسا ہے بھی کیا؟ کچھ بھی تو نہیں۔"

"میں مانتی ہوں، اس کی حالت کا دکھ تمہیں بھی ہے لیکن ہمیں خود کو دکھ کے اس عالم سے باہر لانا ہے تب ہی ہم اسے بھی اس دلدل سے کھینچ پائیں گے۔ تم جانتے ہو اس کی چپ دیکھ کے میرا کلیجہ ہر پل جیسے کسی آری سے کٹتا جاتا ہے۔ میں نے اس [illegible] دنوں کی ایک بات تک نہیں پوچھی۔ [illegible] زندگی تک لانا چاہتی ہوں اس لیے سارا دن کوشش کرتی رہتی ہوں کہ اس کے لیے پہلے سا ہی ماحول بنا رہے۔ وہی بے فکر سا محبتوں بھرا ماحول۔ اگر آج شفیق ہوتے تو مجھے اتنا زیادہ وقت نہ لگتا اپنی اس کوشش کو کامیاب کرنے میں، دیکھو آج ایک ہی ہفتے میں اتنی تبدیلی تو آئی ہے اس کے رویے میں، رات کو میں نے اسے نیند کی گولیاں دینے کے بجائے ایسے ہی سلانے کی کوشش کی اور صبح۔ پہلے کی طرح، ہاں پہلے کی طرح نماز کے لیے بھی جگایا۔ اور یقین کرو۔ میرا یہ حربہ بہت کامیاب رہا۔ پہلے والے معمول کا میں نے صرف آغاز کیا اور [illegible] اس کی ہر حرکت میں اپنے گزشتہ معمولات کا عکس ہے۔ آج اس سے جب میں نے ناشتے کا پوچھا تو صرف سر ہلانے کے بجائے اس نے میٹھے پراٹھے کی فرمائش کی۔ چائے بنائی اور بالکل پہلے کی طرح ناشتا کرتے ہی برتن دھونے چلی گئی۔ تمہیں پتا ہے نا وہ کالج جانے سے پہلے سارے برتن دھو کے جاتی تھی۔" انہوں نے ایک بار پھر کچن کی طرف مڑ کے دیکھا۔ وہ سنک کے آگے کھڑی تھی۔

"میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ تم بھی میرا ساتھ دو۔ تمہاری اور اس کی تو بہت دوستی تھی۔" "لیکن یہ

دوستی تو میں کب کی بیچ چکا ہوں، کتنا عجیب سا سودا کیا میں نے۔ اس کے ہاتھ بھی خسارہ آیا اور میرے ہاتھ بھی۔" وہ سوچ کے رہ گیا۔

☆ ☆ ☆

ناہید کی کوششیں بار آور ثابت ہوئیں۔ اروما رفتہ رفتہ غم کی اس دھند سے ابھرنے لگی۔

"ریان! میں نے سوچا ہے کہ اروما اپنی پڑھائی پھر سے شروع کردے۔ گھر پہ فارغ بیٹھے بیٹھے بور ہوجاتی ہوگی۔" صبح ناشتے کی ٹیبل پہ ناہید نے تذکرہ کیا۔ تو وہ سوالیہ نظروں سے چائے کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ بھرتی اروما کو دیکھنے لگا۔ وہ اس کی بات سمجھ کے بولیں۔

"اروما بھی یہی چاہتی ہے۔ بی اے میں اس کے پاس انگلش لٹریچر اور سوکس تھے۔ دونوں میں ہی اس کی دلچسپی تھی۔ تم اسے یونیورسٹی لے جاؤ، اس کی دو کالج کی دوستیں [illegible] اور نغمی وہیں ہوتی ہیں۔ ان سے مشورہ کرکے [illegible] کرلے گی کہ کس سبجیکٹ میں ماسٹرز کرنا ہے۔ رات فون پہ دونوں سے بات ہوگئی تھی۔ یہ تو تیار نہیں تھی یونیورسٹی کے لیے۔ کہہ رہی تھی کہ گھر پہ پڑھ کے امتحان دے لے گی مگر میں نے بھی سمجھایا [illegible] نے بھی کہ اچھا ہے ذرا مصروفیت رہے گی اور دل [illegible] اس نے [illegible] ہلایا۔

"جاؤ۔ تم جلدی سے تیار ہوجاؤ۔"

[illegible] خالہ جان۔" اس نے غور سے نظر دوڑائی۔ ریان بھی بے ساختہ اس کا جائزہ لینے لگا۔ سفید چکن کی قمیص کے ساتھ سفید ہی کاٹن کی شلوار اور بڑا سا دوپٹہ تھا۔ لباس صاف ستھرا مگر پر شکن تھا۔ اس کی سادگی سفید لباس میں اور زیادہ نمایاں ہو رہی تھی۔ ناہید نے بھی ناپسندیدگی سے دیکھا۔

"نہیں۔ اس میں تو تم نے کلف نہیں لگوایا، اس لیے پریس بھی ٹھیک طرح نہیں ہوا۔ وہ سوٹ پہن کر آؤ جو میں نے پرسوں تمہارے لیے سلوایا ہے۔ اتنی اچھی کڑھائی ہوئی ہے اس پہ، آؤ۔ میں خود تمہیں تیار کرتی ہوں۔"

ٹیبل سے اپنا موبائل اور چابیاں اٹھا کے پورچ میں نکل گیا۔ اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور اگلا دروازہ کھول کے ساتھ والی سیٹ پہ بیٹھتی اروما کو دیکھا، وہ لان کے پیازی رنگ کے سوٹ میں پہلے سے کہیں زیادہ نکھری ہوئی لگ رہی تھی۔ قمیص اور دوپٹے پہ سفید اور گلابی چھوٹے چھوٹے پھول کڑھے ہوئے تھے۔ کلپ لگا کر سمیٹے ہوئے بال اب سلیقے سے گندھی ڈھیلی ڈھالی چوٹی میں مقید تھے۔ کانوں میں وہی اس کی سالوں پرانی گول سونے کی بالیاں تھیں، جن کے ایک سرے پہ چھوٹے چھوٹے دل نما سفید نگینے لگے تھے کبھی ریان کو ان بالیوں کا اس گالوں پہ ڈولتے دیکھنا بہت اچھا لگا کرتا تھا اور آج کتنے عرصے بعد ان کا سنہرا عکس اس کے گالوں پہ جھلملا رہا تھا۔

اوائل اپریل کا ایک سہانا دن تھا۔ نہر کے کنارے لگے آم کے درختوں پہ بور اتر آیا تھا اور سنبل کے سرخ پھول اروما کو بے حد پسند تھے۔ اور بہار کے ان آخری دنوں میں وہ صرف ان پھولوں کا فرش نہر پہ بچھا دیکھنے کے لیے کیمپس تک لانگ ڈرائیو کی ضد کیا کرتی تھی۔ اس نے غیر ارادی طور پہ گاڑی کی رفتار آہستہ کردی۔ اروما اپنے ہاتھوں پہ نجانے کیا ڈھونڈ رہی تھی۔

"اروما! دیکھو۔ تمہارے پسندیدہ پھول۔" اس کے متوجہ کرنے پہ وہ سر اٹھا کے دائیں طرف جھانکنے لگی۔ ایک قطار سے لگے درخت سرخ پھولوں سے لدے ہوئے نظروں میں لالیاں اتار رہے تھے۔ وہ دلچسپی سے دیکھنے لگی۔ ریان خود کو کہنے سے روک نہیں پایا۔

"تم نظر اٹھا کے دیکھو تو سہی، سب کچھ پہلے جیسا ہی ہے۔" اس کے لبوں تک آتی مسکراہٹ نے اچانک رستہ بدل لیا۔ وہ پھر سے اپنے ہاتھوں کی لکیریں کھوجنے لگی۔

"دل کے پیڑ پہ پھول ایک ہی بار آتے ہیں ریان۔ یہاں بہاریں بار بار نہیں لوٹا کرتیں۔" اس نے آہستہ

سے کہا۔

"لیکن دوستی تو ہر موسم میں ہری رہتی ہے۔ ہے نا؟" وہ کچھ نہ بولی۔

"یا پھر تمہیں اب دوستی پر بھی اعتبار نہیں رہا۔" وہ پھر بھی چپ رہی۔

"اروما پلیز، کچھ تو کہو۔ برا بھلا کہہ لو چاہے الزام دے دو مگر کچھ تو کہو۔" اس نے گاڑی ایک طرف روک دی۔ نہر کے اس طرف دور تک گھاس پہ کاسنی کے پھولوں کا فرش بچھا ہوا تھا۔ وہ چہرہ موڑ کے پھول گننے لگی۔

"اروما! میں نہیں جانتا تھا کہ معظم۔۔۔"

"بس آگے کچھ مت کہنا۔" ایک دم اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید بولنے سے باز رکھا۔

"مجھے اپنی صفائی دینے کا ایک موقع تو دو۔" اس سے اب یہ اذیت برداشت نہ ہو رہی تھی۔ "میں صرف تمہاری بدگمانی دور کرنا چاہتا ہوں۔"

"صرف۔۔۔؟" اس نے عجیب سے لہجے میں پوچھا پھر فوراً" کہہ اٹھی۔

"اس کی ضرورت نہیں ریان! مجھے تم سے یا کسی اور سے کوئی شکایت نہیں، مجھے بھائی تک سے گلہ نہیں جو معظم کے بارے میں سب کچھ جانتی تھیں کہ وہ نہ صرف نفسیاتی مریض ہے بلکہ نشے کا عادی اور پیسے کے لیے حد سے تجاوز کر جانے والا گھٹیا انسان ہے۔ تم تو پھر انجان تھے۔ میں نے بھیا کو بھی منع کر دیا تھا کہ وہ میرا بدلہ بھائی سے مت لیں۔ کسی کا کیا قصور، یہ فیصلہ تو میرا اپنا تھا۔"

"ایسا کہہ کے تم کسے دھوکا دے رہی ہو اروما۔ اور کوئی نہیں مگر میں تو جانتا ہوں کہ ایسا کرنے کے لیے میں نے تمہیں مجبور کیا تھا۔"

"نہیں! تم نے مجھے مجبور نہیں کیا تھا، صرف کہا تھا۔ اور یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ تمہارے کہنے سے پہلے ہی میں نے یہ ارادہ کر رکھا ہو۔ اسی لیے مجھے فیصلہ کرنے میں وقت نہیں لگا۔"

وہ اپنے گرد فصیلیں کھڑی کر رہی تھی۔ اور ریان انہیں ڈھانے کے سب اختیار کھو چکا تھا۔ وہ چیخ کے جھٹلانا چاہتا تھا اس کے اس بودے دعوے کو۔ یاد دلانا چاہتا تھا اسے اس کی وہ شکستگی۔۔۔ وہ آزردگی، جو ریان کی زبان سے یہ عجیب سا حکم سنتے ہی چاروں طرف چھا گئی تھی۔ لیکن وہ کچھ یاد نہ دلا سکا۔ ان کمزور لمحوں کا اعتراف کیا کرتا جب وہ ایک مکار عورت کے ہاتھوں شکست کھا کر اپنے بھرم اور انا کو قائم رکھنے کی خاطر محبت اور دوستی کو داؤ پر لگا بیٹھا۔

☼ ☼ ☼

فیصل کے فون متواتر آتے رہتے۔ اسے بھی اروما کے دوبارہ تعلیمی سلسلہ شروع کرنے کے فیصلے پہ خوشی ہوئی تھی۔ اسے بہن کے بارے میں جان کر ہر بار اطمینان ہی ملتا تھا لیکن اب تقریباً" تین ماہ بعد جب وہ اس سے ملنے آیا تو واضح طور پر بے اطمینانی اس کے ہر عمل سے ہویدا تھی۔ ناہید کو لگا جیسے کتنی ہی بار وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا ہو۔ اور پھر رات کو بالآخر وہ کہنے میں کامیاب ہو ہی گیا۔

"خالہ جان! میں اروما کو اپنے ساتھ لے جانے کے لیے آیا ہوں۔"

ان کے ساتھ ساتھ ریان بھی چونک گیا۔ اروما اپنے کمرے میں جا چکی تھی۔ کچھ دیر بعد اپنی حیرت پہ قابو پا کے انہوں نے کہا۔

"اتنے جتنوں سے تو وہ سنبھلی ہے اور تم نے مل تو لیا ہے اس سے اتنا کافی ہے وہاں کیا کرے گی۔ اور اگر بچوں کی وجہ سے کہہ رہے ہو تو انہیں بھی لے آتے، آخر یہ ان کی دادی کا گھر ہے۔"

"وہ بھی تو اروما کا اپنا گھر ہے۔"

فیصل اس وقت وہی فیصل لگ رہا تھا جو ماریہ کے کہے کو حرفِ آخر جان کر بغیر سوچے سمجھے فیصلے کیا کرتا تھا۔

"بہن کی زندگی خراب کر دینے کے پچھتاوے سے بڑی جلدی نجات حاصل کر لی آپ نے فیصل بھائی۔" ریان کے طنز پہ وہ تڑپ اٹھا۔

"یہ پچھتاوا تو شاید عمر بھر میرا پیچھا نہ چھوڑے۔ میں جس عذاب سے گزر رہا ہوں اس کی اذیت تم نہیں محسوس کرسکتے۔ بہن کی خوشیاں اتنی قیمتی نہیں جتنی انمول اس کی عزت ہے اور میں برداشت نہیں کرسکتا کہ کوئی اس کے کردار پہ حرف گیری کرے۔"

"کس نے ایسی جرات کی' کیا معظم نے؟ اس کا اب کیا واسطہ ہے اروما سے۔" ناہید نے ڈپٹ کے کہا۔

"وہ واپس آگیا ہے اور بڑی ڈھٹائی اور بے غیرتی سے اروما کے خلع لینے کے فیصلے کو تنقید کا نشانہ بنا رہا ہے۔ اپنی کھسیاہٹ چھپانے کے لیے اس نے خاندان بھر میں الٹی سیدھی باتیں پھیلانا شروع کردی ہیں۔"

"کیا کہا ہے اس نے؟" ریان کے اندر ابال اٹھ رہے تھے۔

"وہ جو بھی بکواس کر رہا ہے' اس کا واحد حل یہ ہے کہ میں اروما کو یہاں سے لے جاؤں۔" اس نے بتانے سے گریز کیا۔ ریان کو کچھ کچھ اندازہ ہو رہا تھا لیکن ناہید انجان تھیں اسی لیے جاننے پہ مُصر تھیں۔

"ہاں تاکہ وہ بھی یہ ہرزہ سرائیاں اپنے کانوں سے سن لے اور اس کے مرنے میں جو رہی سہی کسر رہ گئی ہے وہ پوری ہو جائے۔ تم کیوں یہ چاہتے ہو کہ وہ پھر سے اسی زہریلے ماحول میں چلی جائے۔ تمہارا سارا ددھیال آپس کے رشتوں ناتوں سے بندھا ہوا ہے۔ خود تمہارے گھر میں معظم کی اپنی بہن موجود ہے نہ تم اس کا رشتہ اس کے میکے والوں سے ختم کرواسکتے ہو نہ ان لوگوں کا آنا جانا اپنے ہاں بند کروانے کی تم میں ہمت ہے۔ اس طرح تو وہ دن رات کی ٹینشن میں مبتلا رہے گی۔ طرح طرح کی باتیں سن کر اس کی ذہنی حالت پھر سے خراب ہو جائے گی۔ اسے تم یہیں رہنے دو۔"

"آپ نہیں سمجھ رہیں خالہ جان! صورت حال کتنی نازک ہے۔ اس کا یہاں رہنا اب مناسب نہیں۔ معظم نے کہہ دیا ہے کہ اروما نے ریان کی وجہ سے خلع لی ہے۔" وہ کہتے کہتے ڈھے گیا۔ ریان کا پورا بدن سنسنا اٹھا۔

"یہ صرف معظم کا بیان ہے یا آپ کی زوجہ محترمہ نے بھی۔" اس نے کاٹ دار لہجے میں پوچھا۔ جواباً وہ شرمندگی سے سر جھکا کے رہ گیا۔ ناہید بھی بے یقینی کے عالم میں بیٹھی تھیں۔

"اب آپ ہی بتائیے' میں کیسے اسے یہاں رہنے دوں۔ بیوی کی خدمت کے بعد بھائی کے گھر رہنے کے بجائے لاہور چلے آنا۔ لوگوں کے وہم کو یقین کا درجہ دینے والی بات ہے۔"

"کاش۔ کاش فیصل بھائی۔ آپ اپنے ساتھ ماریہ بھابھی کو بھی لائے ہوتے۔ میں ان سے پوچھتا کہ کتنے حربے اور آزمائیں گی وہ۔ پہلے ایک بار ان کے اس بے ہودہ شک کو رفع کرنے کی خاطر میں نے انتہائی اور جذباتی قدم اٹھالیا تھا۔ لیکن کیا فائدہ ہوا' الٹا سب کی نظروں میں بھی اروما کی نظروں سے گر گیا۔ ہماری سب لوٹ اور آج دن بھی یہ دم توڑتی اور خود ہی بے چاری۔ کیا حاصل ہوا' اتنا سب کچھ کرنے کے بعد بھی۔ یہی سب یہ' یہ ذلت' یہ رسوائی' وہی الزام اور وہی کیچڑ۔" وہ پھٹ پڑا۔ ناہید اور فیصل کچھ سمجھنے اور کچھ نہ سمجھنے کے عالم میں اسے دیکھتے رہے۔

"آپ جانتے ہیں فیصل بھائی! ماریہ بھابی اس سے پہلے بھی ان گندے خیالات کا اظہار کرچکی ہیں۔ یہ تب کی بات ہے جب آپ نے ان پر مکمل اعتماد کرتے ہوئے انہیں بہن کی رضامندی معلوم کرنے کا فریضہ سونپا تھا اور وہ شاید جانتی تھیں کہ اروما کی مرضی کیا ہے' اس لیے انہوں نے دوسرا حربہ آزمایا۔ انہوں نے اروما کے حوالے سے مجھ پہ کیچڑ اچھالا۔ امی اور ابو جی کی نیت پہ شک کیا۔ انہیں آپ لوگوں کی جائیداد کا لالچی بتایا۔

میں پاگل ہو گیا تھا یہ سب سن کر۔ مجھے اور کچھ نہ سوجھا سوائے اس کے کہ انہیں زبانی صفائیاں پیش کرنے کے بجائے عملی طور پر یہ باور کرادوں کہ مجھے نہ تو اروما میں دلچسپی ہے نہ اس کے پیسے میں' اسی جذباتی کیفیت میں میں اروما سے بھی کہہ بیٹھا کہ وہ میرے بجائے معظم کے لیے ہامی بھر لے۔ مجھے کیا خبر تھی کہ میرے اتنا سب کرنے کے بعد بھی یہ بدگمانیاں اس کا پیچھا کرتی رہیں گی۔"

"اتنا کچھ ہو گیا ریان! اور تم نے کبھی ذکر ہی نہیں کیا۔" ناہید دکھ بھرے انداز میں شکایت کرنے لگیں۔ فیصل بھی تلملا رہا تھا۔

"ریان! تم یہ سب پہلے مجھے بتادیتے تو میں ماریہ کی فطرت اور ارادوں سے تب ہی آگاہ ہو جاتا' تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ میں تمہاری بات کا یقین نہ کروں گا یا بیوی کے بہکاوے میں آکر اپنی بہن کے کردار پہ یا خالہ جان کی نیت پہ شک کرنے لگوں گا۔"

"اونہہ! دنیا والوں کے ڈر سے اب بھی تو آپ اروما کو لینے آگئے ہیں ورنہ کیا آپ نہیں جانتے' اس کا یہاں رہنا ہی اس کے لیے بہتر ہے۔ تب بھی آپ سے کیا توقع کی جاسکتی تھی۔"

فیصل کا سر جھک گیا۔

"عزت دینے والی خدا کی ذات ہے ریان! تم یہ حقیقت کیسے فراموش کر گئے۔ اتنے نازک معاملے کے بارے میں تم نے اپنے بزرگوں کو بھی بے خبر رکھا۔" ناہید نے احساس دلایا۔

"آپ لوگ کیا کرلیتے۔ ابو جی کو پتا چلتا تو انہیں کتنا صدمہ ہوتا۔"

"اپنوں سے پہنچائے گئے صدمے ریان! غیروں کی لگائی چوٹ پہ کسی اشتعال آجاتا ہے جو تمہیں آیا تھا اور یہ اشتعال ہمیشہ تباہ کردینے والے فیصلے کرواتا ہے۔ ابو جی بڑے متحمل انسان تھے' میں دعویٰ کرتی ہوں کہ اگر ان کے علم میں یہ واقعہ آتا تو وہ اسی رات تمہارا نکاح اروما سے پڑھا دیتے۔"

"کیا۔ ؟ یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟" وہ ہڑبڑا اٹھا۔

"بالکل درست کہہ رہی ہوں۔ جوش میں بھی ہوش نہ کھونا ہی اصل حکمت عملی ہے۔ ان کی جگہ میں ہوتی تو میں بھی یہی فیصلہ کرتی بلکہ میں تو اب بھی اسی بارے میں سوچ رہی ہوں کہ لوگوں کی زبانیں بند کروانے کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ تم دونوں کو ایک کردیا جائے۔ پھر کسی کو اروما کے یہاں رہنے پہ اعتراض نہ ہوگا۔"

"لیکن خالہ جان! اروما۔" فیصل ہچکچایا۔

"کیوں' کیا تم نہیں چاہتے کہ وہ بھی اپنے حصے کی خوشیاں کشید کرلے' کیا زندگی پہ اس کا کوئی حق نہیں' ایک تلخ حادثے سے ڈر کر کیا ہم اسے دوبارہ بسانے کی آرزو کرنا چھوڑ دیں۔"

"میرا یہ مطلب نہیں خالہ جان! لیکن اس طرح تو لوگوں کا یہ شک یقین میں بدل جائے گا کہ واقعی اس خلع کے پیچھے۔"

"تم بھی وہی غلطی کر رہے ہو فیصل! جو دو سال پہلے ریان نے کی۔ کیا لوگوں کے خوف سے ہم اپنے حصے کی خوشیوں سے دستبردار ہو جائیں اگر یہ کرنا فائدہ مند ہوتا تو پھر ریان کے اس قدم کے بعد سب ٹھیک ہو گیا ہوتا۔

فیصل' میری یہ بات کبھی مت بھولنا کہ عزت دینے والا خدا ہوتا ہے اور کسی انسان کی کیا مجال ہے جو کسی کی عزت چھین سکے۔ اگر اپنا ضمیر مطمئن ہو تو کسی کے بھونکنے سے کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ مت ڈرو کہ اروما اور ریان کے بارے میں لوگ کیا کہہ رہے ہیں اور کیا کہیں گے۔ جب یہ دونوں اس مضبوط اور جائز پاک بندھن میں بندھ جائیں گے تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ کسی کی ہمت نہ ہوگی انگلی اٹھانے کی۔

☆ ☆ ☆

وہ پچھلے پندرہ منٹ سے کیمپس نہر کے ایک طرف گاڑی پارک کرنے کے بعد' چھوٹے سے لکڑی کے پل پہ بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ جانتا تھا وہ یہیں سے اپنے پوائنٹ پہ سوار ہوتی ہے لیکن کتنے بجے۔ یہ اسے علم نہ تھا۔ اپنے اندازے کے مطابق وہ ساڑھے بارہ بجے سے یہاں آکے بیٹھ گیا تھا۔ صبح ہی تو اس نے امی سے سنا تھا کہ اروما نے اس سے شادی کرنے سے انکار کردیا ہے۔ وہ اس سے بات کرنا چاہتا تھا' ابھی' اسی وقت' اس سے شام تک کا انتظار نہ ہوا تو وہ یونیورسٹی چلا آیا۔

کل جب ناہید نے اسے بتایا کہ وہ آج رات اروما سے بات کرنے والی ہیں تو تب بھی اسے ہلکا سا اندیشہ ضرور تھا کہ کہیں وہ کوئی مسئلہ نہ کھڑا کردے۔ اس کے ساتھ جو کچھ ہو چکا تھا اور جو کچھ کیا جا چکا تھا، اس میں تھوڑا بہت حصہ تو ریان کا بھی تھا اور وہ خود کو ذہنی طور پر اس جھٹکے کے لیے تیار کرلینے کے باوجود ایک لمحے کے لیے ڈر سا گیا تھا اس کا انکار سن کر لیکن پھر اس نے خود کو سمجھایا۔

"اس کا حق بنتا ہے اتنی تھوڑی بہت ناراضی جتانے کا میں نے بھی تو تب خود غرضی کی انتہا کردی تھی۔ صرف اپنے لیے سوچا، اپنی پروا کی، کیا تھا اگر میں تھوڑا سا حوصلہ کرلیتا، چار کڑوی باتیں سننے کا۔ دنیا کا سامنا کرنے کی ہمت کرلیتا، لیکن تب میرا ظرف جواب دے گیا۔ میں نے اس کی محبت پہ اپنی عزت اور بھرم کو فوقیت دی۔"

اور وہ اسے منانے آیا تھا۔ یا شاید اپنی بگڑی بنانے آیا تھا۔

دس بجے وہ اسے نمی کے ساتھ سامنے سے آتی دکھائی دی تھی۔ اس کی نظر اچانک ریان پہ پڑی تو اس کے قدموں میں تھکن اتر آئی۔ شاید وہ جان گئی تھی وہ کیا پوچھنے آیا ہے۔ وہ خاموشی سے اس کے قریب چلا آیا۔

"کیسی ہو نمی؟"

"بالکل ٹھیک ٹھاک۔۔۔ ارے ریان! تم تو ذرا نہیں بدلے، ویسے بالکل ویسے کے ویسے۔" وہ اروما کی بچپن کی دوست تھی۔ مگر ایک عرصے بعد ریان کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے کمنٹس پہ اس نے مسکرا کے خود کو لاپروا ظاہر کرتی اروما کی طرف دیکھا۔

"اچھا۔۔۔ لوگ تو سمجھتے ہیں۔ میں بہت بدل گیا ہوں وہ پہلے والا ریان رہا ہی نہیں۔"

"اروما! تم تو اب گاڑی میں جاؤ گی۔ میرا اکیلے بس میں جانے کا بالکل موڈ نہیں ہو رہا اس قدر گرمی میں۔ میں رکشہ میں جا رہی ہوں۔" اس نے قریب سے گزرتے خالی رکشہ کو ہاتھ دے کر روکا۔ اس کے کچھ کہنے سے قبل ہی ہاتھ ہلاتی بیٹھ گئی۔

"تم یوں منہ کھول کر کیا دیکھ رہی ہو۔ وہ جا چکی ہے۔ اب رکشے کے پیچھے سے نکلتے دھوئیں کے کالے بدبو دار بادل کو للچائی نظروں سے دیکھنے کا کیا فائدہ، اگر تمہارا بھی اس گھٹیا سی سواری میں بیٹھنے کا اتنا دل کر رہا ہے تو وہ سامنے سے آتے "چنگ چی" کو روکوں؟" وہ پہلے کی طرح اپنے مخصوص شوخ اور چڑانے والے لہجے میں پوچھ رہا تھا اور وہ چ چ چڑ بھی گئی۔ اسی لیے "چنگ چی" کو ہاتھ دینے کے ارادے سے رک گئی۔ حالانکہ اس کی ایسی جناتی سواریوں کو دیکھ کے ہی جان نکلتی تھی۔ وہ بھی اس کے شانے سے شانہ ملا کے کھڑا ہوگیا۔

"لیکن شرط یہ ہے کہ میں بھی تمہارے ساتھ بیٹھوں گا۔" وہ پیر پٹختی ہوئی گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔ "اگر اس کے ساتھ ہی جانا ہے تو گاڑی میں بیٹھنے میں کیا تکلیف ہے۔"

اس کے بیٹھتے ہی ریان نے گاڑی اسٹارٹ کی اور فل اسپیڈ کے ساتھ بھگانے لگا۔ ساتھ ہی سی ڈی پلیئر بھی آن ہوگیا۔ نصیبو لعل کی آواز دھمال ڈالنے لگی۔

"اساں ہونڑ تیرے نال بیٹھے کن مناؤ کون ہوئے"

"یہ کیا کر رہے ہو؟" وہ جتنی خوفزدہ گاڑی کی اسپیڈ سے تھی، اتنی ہی کوفت زدہ اس فضول سے گانے پہ ہو رہی تھی۔

"میں نے سوچا، تمہیں جھوٹا کروا لیں، یا "چنگ چی" کے مزے دلائے جائیں۔ پہلے خیال نہیں آیا ورنہ نمبر پلیٹ کے ذرا اوپر "دیکھو مگر پیار سے" اور ہیڈ لائٹس کے ساتھ "ریان طیارہ" اور "کشمیری شہزادہ" بھی لکھوا لیتا۔"

"تو اب لکھوا لو "ماں کی بددعا، جا بیٹا رکشہ چلا۔" یا پھر "جس نے کسی کا دل دکھایا، اس نے چنگ چی ہی چلایا۔"

"مائی گاڈ! یعنی اب تمہیں بھی چنگ چی چلانا پڑے گا۔ "جیو نیوز چینل" پہ تمہارا اسپیشل انٹرویو آئے گا۔ آخر تم پاکستان کی پہلی خاتون رکشہ ڈرائیور ہو گی۔"

"میں کیوں چلانے لگی یہ فضول چیز۔"

"خود ہی تو کہہ رہی ہو کہ جس نے کسی کا دل دکھایا۔" وہ لہرا لہرا کے گنگنانے لگا۔ پھر ایک دم اس کے کان کے پاس ہو کے کہنے لگا۔

"تم نے بھی تو میرا دل دکھایا ہے۔" لہجے میں ہلکی سی شکایت تھی، اپنا آپ منوانے کا مان بھی اور۔۔۔

"میں نے کسی کا دل نہیں دکھایا۔" اس کی ساری تنک مزاجی پل میں ہوا ہوگئی۔ بڑی بڑی بھوری آنکھیں چھلکنے کو تھیں۔

"پلیز۔۔۔ رونا مت۔۔۔ مجھے اب تمہیں چپ کرانے کی عادت نہیں رہی۔ آؤٹ آف پریکٹس ہو چکا ہوں۔" اس نے اسپیڈ بالکل آہستہ کرلی تھی۔ سی ڈی پلیئر بھی خاموش ہو چکا تھا۔ اروما نے تیزی سے پلکیں جھپکتے ہوئے آنسو پینے کی کوشش کی۔

"کہاں جا رہے ہو؟" اسے نہر کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتے دیکھ کر اس نے پوچھا۔

"تمہیں فالسے کھلانے۔"

"اتنی گرمی میں۔"

"کیا کروں۔" اس نے شانے اچکائے۔ "سردیوں میں فالسے ہوتے ہی نہیں۔"

"میرے کہنے کا مطلب ہے کہ اس قدر تیز دھوپ اور گرمی میں میرا سڑکوں پہ خوار ہونے کا کوئی موڈ نہیں۔"

"یاد کرو وہ وقت جب میرا موڈ نہیں ہوتا تھا، تپتی جھلستی دوپہر، ان سڑکیں ناپنے کا مگر تمہیں اچانک فالسے کھانے کی ہڑک اٹھتی تھی اور وہ بھی بازار سے خرید کے نہیں بلکہ تازہ توڑے ہوئے۔ تب میں تمہارے ساتھ جاتا تھا یا نہیں۔۔۔ بولو۔۔۔ ہونہہ۔۔۔ موڈ نہیں ہے۔"

اس نے چبا چبا کے نقل اتاری۔

"بس کرو اروما۔۔۔ خدا کے لیے بس کرو۔ میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا کہ تم بھلے مجھے گالیاں دے لو۔ پیٹ لو۔۔۔ مگر۔۔۔ مگر تمہارے دل میں میرے خلاف جتنا بھی زہر ہے اسے کسی طرح ذرا باہر پھینکو۔ اس زہر کو پال پال کر خود کو زہر آلود مت کرو۔ میں نے اپنی غلطی تسلیم نہیں کی۔ کب کہا کہ مجھے سزا مت دو۔۔۔ مجھے سزا دو۔۔۔ مگر ایسی سزا جس کو میں اکیلا بھگتوں، اس میں تم میری حصہ دار نہ بن سکو اور یہ جو سزا تم نے مجھے سنائی ہے، اس میں تم میرے برابر کی شریک بن رہی ہو۔ جانتی ہو، تم اس بار خود پہ ظلم کر رہی ہو، اس سے پہلے یہ کام دوسرے کرتے آئے ہیں مگر اب تم خود، تم خود صرف اور صرف میری ضد میں اپنے آپ کو نقصان پہنچا رہی ہو۔ کیا میں نہیں جانتا اروما کہ دوسری بار اپنے آپ کو یہ سزا سنانا تمہیں کتنا دشوار محسوس ہو رہا ہوگا۔"

"کیسی سزا۔۔۔ اور کون سی سزا۔۔۔؟" وہ گھبرا گئی، یہ گھبراہٹ بھید کھلنے کی تھی۔ "میں تو تمہیں سزا دینے سے بچا رہی تھی۔ تم کیوں محض ہمدردی اور خدا ترسی کے نام پہ ایک ان چاہے بندھن میں بندھو۔"

"کیا۔۔۔؟ کیا کہا تم نے۔۔۔؟" وہ اچھل پڑا۔ "پھر سے کہنا؟"

"ہاں ریان! میں اتنی کم ظرف نہیں کہ محض اپنی
زندگی میں آسانیاں پیدا کرنے کی غرض سے تمہارے
لیے زندگی کو مشکل ترین بنا دوں۔ میں جانتی ہوں۔
تمہاری امی مجھ سے بہت محبت کرتی ہیں، وہ میرا بھلا ہی
سوچیں گی۔ مگر کب تک۔۔۔؟ کب تک ریان! وہ
تمہارے جذبے اور محبتیں بھی مجھ پہ نثار کریں گی۔ میری
خاطر وہ تمہاری زندگی کا گلا گھونٹنے پہ تیار ہیں۔ کیا سب
جانتے بوجھتے میں ان کا راستہ [illegible] بن جاؤں؟ میں تو پہلے
ہی خدا جان اور خالہ جان کی محبتوں کے بوجھ تلے دبی
ہوئی ہوں۔ محبت جب حد سے بڑھ جائے تو احسان بن
جاتی ہے اور انہوں نے میرے لیے کئی احسان مجھ پر کیے
ہیں۔ اور میں نے اپنا حق سمجھ کر ان احسانوں کو بھی
جان سے قبول بھی کیا ہے۔ مگر ریان! تمہارا احسان
نہیں۔ تمہارا کوئی احسان مجھے گوارا نہیں۔"
"یہ احسان نہیں [illegible] میں اپنی [illegible]
بے پناہ خوشی سے تم کو [illegible] دوں۔" وہ ان
خود ساختہ دانشوروں پہ بھڑک اٹھی۔

"مجھے بے وقوف مت بناؤ۔" اس نے تیز نظروں
سے گھورا۔ "جب تمہیں [illegible] پسند ہی
نہیں تھی، جب اس وقت تم نے مجھے [illegible]
واسطے دے کر خود انکار کرنے کا کہا تھا تو اب تم میں
[illegible] رغبت کیسے [illegible]
"اوہ [illegible]۔" اس نے ایک [illegible] "تو امی
نے تمہیں ساری بات نہیں بتائی۔"
"کیسی بات؟"
"[illegible]۔" اس نے مختصراً ساری بات
سے سمجھائی۔ "اب تم بتاؤ ایسی حالت میں میں اور
کیا فیصلہ کرتا۔"
وہ [illegible] کی کیفیت میں بیٹھی رہی۔
"ساری غلطی میری نہیں۔ بلکہ اس وقت تو میرا
خیال تھا کہ میری ذرا برابر بھی غلطی نہیں۔ میں نے جو
کیا وہ درست تھا لیکن بعد میں میرے دل نے مجھے
سگنل سے دینے شروع کر دیے کہ کچھ ہے جو غلط ہو گیا
ہے۔ جلد بازی میں مجھ سے کوئی زیادتی سرزد ہو گئی ہے
۔ اس کے بعد تمہاری زندگی میں جو جو تکلیفیں اور
مشکلیں آتی گئیں۔ وہ مجھے اور پچھتاوؤں میں مبتلا کرتی
گئیں اور پھر اس دن جب امی نے بتایا کہ دنیا کے ڈر
سے دروازے پہ دستک دیتی خوشیوں کو واپس لوٹا دینا
نعمتِ خداوندی کو ٹھکرا دینے کے مترادف ہے تو مجھے
احساس ہوا کہ مجھ سے کچھ نہیں بلکہ بہت کچھ غلط
ہو گیا ہے۔ میں اس غلطی کا مداوا کرنا چاہتا ہوں اروما۔
اور اب تم اسی غلطی کا اعادہ کر رہی ہو۔ اس وقت مجھے
صلاح دینے والا کوئی نہیں تھا لیکن تمہارے پاس میں
ہوں، تمہارا سب سے بہترین دوست۔ اور میں تمہیں
ایک پتے کی بات بتا رہا ہوں، اسے گرہ سے باندھ لو۔
اور وہ یہ کہ۔۔۔ فیصلہ وہ کرو، جس پہ تمہارا دل مطمئن
ہو۔"

"دل۔" اس نے ٹٹولا۔ اس میں تو سالوں سے
ایک ہی تصویر بجی تھی، وہ جھینپ کر اسے کن انکھیوں
سے دیکھنے لگی۔ وہ مسکرا رہا تھا جیسے اس کے دل کا ایک
ایک منظر اس کی اپنی آنکھوں کے سامنے روشن ہو۔
"اور اگر اب بھی تمہارا دل اس بات کو فراموش
کرے، میں تاوان [illegible] ایسا کرتے ہیں کمپرومائز کر لیتے
ہیں، تم سزا معاف [illegible] میں تاوان ادا کرنے کے لیے
تیار ہوں۔ بولو کیا قبول کرو گی تاوان میں؟" اس نے
فالسے [illegible] کے قریب گاڑی کھڑی کی۔
"ریان! [illegible] یا تازہ بہ تازہ کھٹ میٹھے
فالسے۔۔۔ اور۔۔۔" وہ سوچ میں پڑ گئی۔
"فالسے۔۔۔" اچانک وہ بولی تو ریان بدک اٹھا۔
"کیا؟ فالسے۔۔۔؟"
"ہاں تازہ بہ تازہ کھٹ میٹھے فالسے۔۔۔ بھری تپتی
دوپہروں میں کھلانے والا۔"
وہ سر جھکا کے شرمگیں مسکراہٹ کے ساتھ فیصلہ
سنا گئی۔
"بولو بھر سکو گے یہ تاوان۔۔۔" اور ریان کا لوں لوں
"ہاں" پکار رہا تھا۔

★